خانقاہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ

مِلّیہ

فیصل آباد
پاکستان

رجب المرجب
۱۴۴۷ھ

جنوری 2026ء

بنیان مرصوص ، تاریخی فتح
مولانا حماد الرحمٰن لدھیانوی

روح سنت علامہ محمد اسد

مجالس حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ

مجلس نفیس

حضرت خلیل احمد سہارنپوری کی کرامات

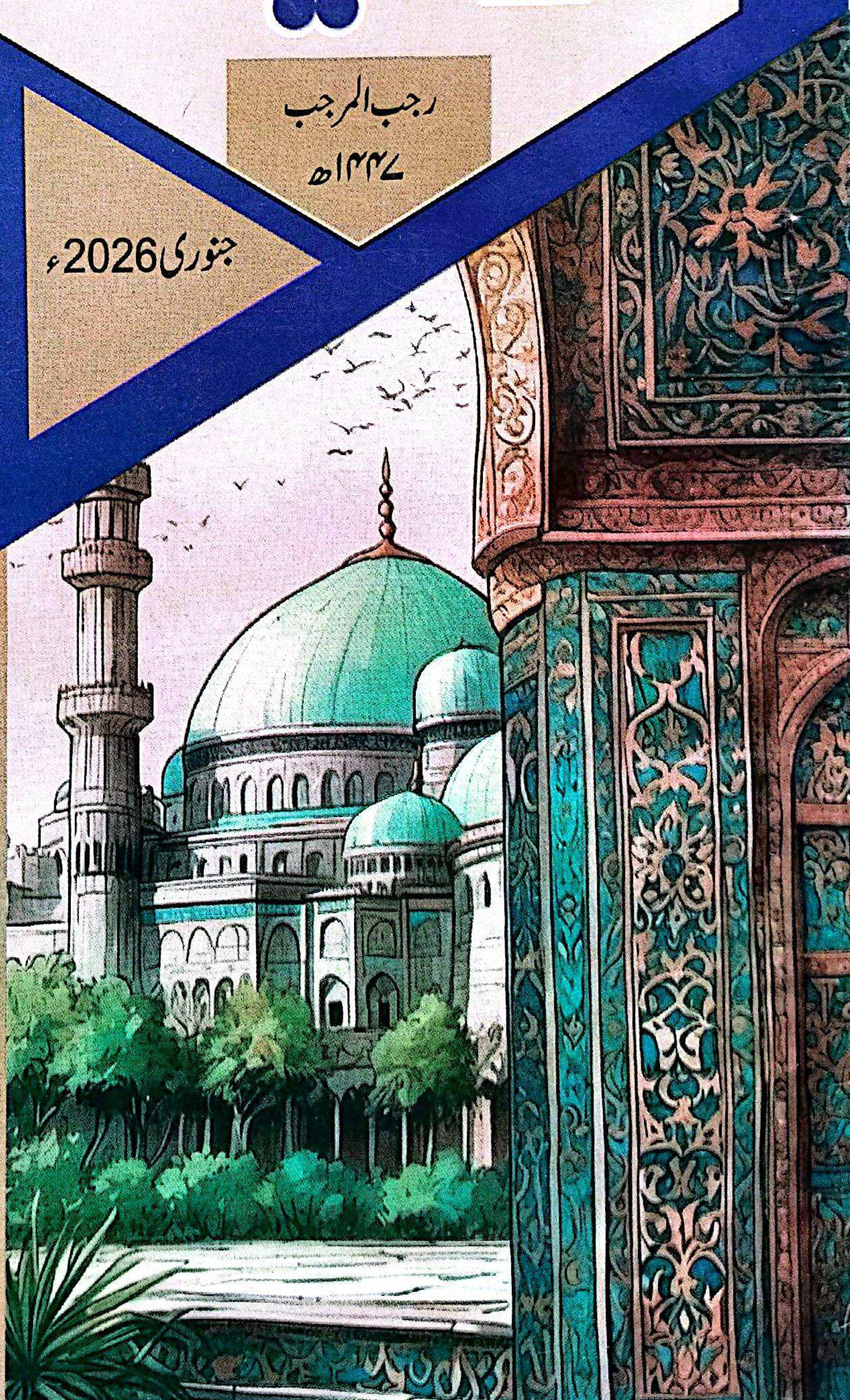

بیاد

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ
خلیفہ مجاز حضرت سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ فیصل آباد
041-8711569
www.milliafsd.com

ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی حفظہ اللہ

لُطف و کرم کے سائے میں

تیرے لُطف و کرم کے ہیں سائے
تیرے کعبے میں ہم پھر سے آئے

پھر سے دیدار کعبہ ہوا ہے
ہم نے انوار پھر اس کے پائے

تشنگی دل کی ساری بُجھی ہے
جامِ زم زم کے لب سے لگائے

تیرے کعبے کی عظمت کے آگے
سب نے سجدے میں سر ہیں جھکائے

حسرتیں سب ہی پوری ہوئی ہیں
سات چکر ہیں جب سے لگائے

عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
پھر بھی ہم در پہ تیرے ہیں آئے

صحنِ کعبہ میں آکر تو ہم نے
ایک کے بدلے لاکھوں ہیں پائے

پھر سے ایمان تازہ ہوا ہے
جب سے لبیک کے نعرے چھائے

بس وہی تیرے گھر پہ ہے آتا
جس کو تو اپنے در پہ بلائے

ہے حبیبؔ وفا خستہ دِل سے
تیرے در پہ پڑا سر جھکائے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے

خانقاہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمان

ماہنامہ ملّیہ

فیصل آباد پاکستان

رجب المرجب ۱۴۴۷ھ

شمارہ نمبر 7 جلد نمبر 22

بمطابق جنوری 2026ء

بفیض

قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمن الدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

امیر ثانی تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

بعہد

مولانا انیس الرحمن الدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پیر طریقت حضرت سید نفیس الحسینی شاہ

ابن انیس حضرت مولانا حبیب الرحمن الدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

فہرست مضامین

* بنیان مرصوص ، تاریخی فتح — مولانا حماد الرحمن لدھیانوی — 2
* مجالس حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہٗ — 8
* مجلس نفیس — 11
* روح سنت — علامہ محمد اسد — 13
* تاریخ ختم نبوۃ تاریخ کے آئینے میں — 24
* مولانا عزیر گل — عبدالواحد سجاد — 29
* حضرت خلیل احمد سہارنپوری کی کرامات — 32
* خواتین کے صفحات — خادمۃ القرآن — 34
* بچوں کے صفحات — 39

مدیر

مولانا حماد الرحمن لدھیانوی

مدیر مسئول

مولانا جواد الرحمن الدھیانوی

فی شمارہ 80 روپے

پاکستان میں سالانہ 1000 روپے

سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 100 امریکی ڈالر

رابطہ کیلئے

ماہنامہ ملّیہ جامعہ ملّیہ اسلامیہ

محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن ، فیصل آباد پاکستان 041-8711569, 0321-6611910

ناشر: حبیب الرحمن لدھیانوی

مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد

بنیان مرصوص، تاریخی فتح

حماد الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی : اما بعد!

موجودہ زمانے کی جدید ترین جنگ اور پاکستان کی فتح نے بڑے بڑے جغادری ملٹری تھنک ٹینک کو سوچ و بچار پر مجبور کر دیا ہے۔ اسی لیئے پاکستان جنگ سے پہلے اور جنگ کے بعد، دو الگ الگ ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ہماری فوج کی حیثیت تمام ممالک کے سامنے اتنی بڑھ گئی ہے کہ افواج سے معاہدے کرنے والے ممالک لائن میں لگے ہوئے ہیں۔

سول اور فوجی قیادت کی اعلیٰ ترین سطح پر منظور شدہ ایک محتاط لیکن مربوط فوجی آپریشن کے دوران پاکستان نے ہفتے کے روز علی الصباح ایک فیصلہ کن کارروائی کا آغاز کیا جس کے نتیجے میں بھارت کا جدید ترین دفاعی نظام تباہ ہو گیا۔

اس بنائی گئی حکمت عملی کے پیچھے غیر معمولی پلاننگ کے علاوہ قیادت اور فوج کے جذبہ ایمانی کا امتزاج شامل تھا جس کا آغاز ایک طویل دعا کر کے کیا گیا۔ اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنا دین اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔ جس کا ثواب احادیث مبارکہ میں کثرت سے آیا ہے۔ چنانچہ حدیث مبارک میں ہے کہ جو شخص سرحدوں کی حفاظت کی نیت سے سرحدوں پر رہتا ہے یا اس کام سے جڑا ہوا ہے اس شخص کو رباط فی سبیل اللہ کا ثواب ملے گا۔ رباط کے فضائل بے شمار ہیں۔ بخاری میں حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ”اللہ کے راستے میں ایک دن کا رباط ایک مہینے کے مسلسل روزے اور تمام شب عبادت میں گزارنے سے بہتر ہے“ اور وہ اگر اسی حال میں مر گیا تو اس کے عمل رباط کا روزانہ ثواب ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا رزق جاری

رہے گا اور وہ شیطان سے مامون و محفوظ رہے گا۔

رسول اللہؐ نے فرمایا کہ ہر ایک مرنے والے کا عمل اس کی موت کے ساتھ ختم ہو جائے گا۔ بجز مرابطہ کے (وہ فوجی جو مسلمان مُلک کی سرحدوں کی حفاظت پر ہو) اس کا عمل قیامت تک بڑھتا ہی رہتا ہے اور قبر میں حساب و کتاب والوں سے مامون اور محفوظ رہتا ہے۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے عمل رباط ہر صدقہ جاریہ سے زیادہ افضل ہے، کیونکہ صدقہ جاریہ کا ثواب اس وقت تک جاری رہتا ہے، جب تک صدقے کی ہوئی چیزوں سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں، مگر مرابطہ فی سبیل اللہ کا ثواب قیامت تک ختم ہونے والا نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سب مسلمانوں کا اعمالِ صالح پر قائم رہنا تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب وہ دشمن کے حملوں سے محفوظ ہوں۔ (جیسے کہ آج کل کے حالات میں دونوں سرحدوں پر مشرق اور مغرب سے ہر لحہ خطرات منڈلا رہے ہیں) تو ایک مرابطہ کا عمل تمام مسلمانوں کے اعمال صالح کا سبب بنتا ہے۔ اِسی لئے اسکا ثواب قیامت تک جاری رہتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر شخص جتنے نیک کام دنیا میں کرتا رہا اس کا عمل بھی بغیر عمل کئے ہمیشہ جاری رہے گا۔

ابن ماجہ میں باسنادِ صحیح حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا۔ ''جو شخص حالت رباط میں (سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے مر جائے) تو وہ جو کچھ عمل صالح دنیا میں کرتا تھا ان سب اعمال کا ثواب برابر جاری رہے گا اور اس کا رزق بھی جاری رہے گا اور شیطان سے محفوظ رہے گا اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ایسا مطمئن اٹھائیں گے کہ محشر کا کوئی خوف اس پر نہ ہوگا۔

خبر کے مطابق وزیر اعظم شہباز شریف کی زیر صدارت ہونے والے اجلاس میں بھارت کیخلاف جوابی کارروائی کی منظوری دی گئی، جس سے نہ صرف بھارت کی دفاعی لائنیں ہل گئیں بلکہ اس کا غرور اور گھمنڈ اور پاکستان سے مذاکرات نہ کرنے کی ہٹ دھرمی بھی خاک میں مل گئی۔

علی الصبح تقریباً فجر کے وقت، پاکستان کی مسلح افواج نے بھارت کیخلاف اپنی مربوط، کثیر الجہتی آپریشن شروع کیا۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق، آپریشن صبح کے اوقات میں شروع کیا گیا۔ اس کارروائی میں اٹھایا گیا ہر قدم ایمان، یقین اور نظم و ضبط کی مثال تھا۔ پہلا میزائل نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے فائر کیا گیا، جو تاریخی اسلامی لڑائیوں کے جذبے کی عکاسی کرتا ہے۔

پاکستانی سائبر حملے میں بیشتر بھارتی ویب سائٹس کو ہیک کر لیا گیا

پاکستان نے سائبر اٹیک کے ذریعے بھارت کے 70 فیصد بجلی کے گرڈ کو ناکارہ کر دیا

اگرچہ بھارت کو اپنے ہائی ٹیک رافیل طیاروں اور ڈیڑھ ارب ڈالر کے جدید ترین ایس 400 ائیر ڈیفنس سسٹم پر ناز تھا، جبکہ پاکستان کی دفاعی افواج کی تربیت، نظم وضبط اور ایمان کی وجہ سے دشمن کی چالیں ناکام ہوگئیں۔ بھارت میں تجزیہ کار پہلے پاکستان کے جس دفاعی ساز وسامان کو اپنے اسلحے کے مقابلے میں کم تر سمجھتے تھے، وہی ساز وسامان ان کیلئے تباہی کا سبب بن گیا۔

پاکستان کی طرف سے اپنے میزائل نظام، ڈرونز، ائیر فورس کے بہترین استعمال کے ساتھ ہمارے جیمنگ ٹولز نے بھارتی دفاعی نظام کو چاروں شانے چت کر دیا۔ چند ہی گھنٹوں میں اہم بھارتی فوجی اور دفاعی ڈھانچہ بے اثر ہوگیا، کمانڈ سینٹرز خاموش ہوگئے، اور ریڈار سسٹم بیکار ہوگیا۔ بھارتی دفاع بھلے ہی افراتفری کا شکار نہ ہوا ہو لیکن یہ مکمل صدمے کی حالت میں تھا۔

بھارت کو سب سے غیر متوقع دھچکا پاکستان کی سائبر وار سے لگا۔ آئی ٹی کا چیمپئن سمجھے جانے والے بھارت کو پاکستان کے ایک ایسے سائبر حملے کا سامنا کرنا پڑا جسے ماہرین پاکستان کی طرف سے کیا جانے والا تاریخ کا سب سے بڑا سائبر اٹیک قرار دے رہے ہیں، حالانکہ آئی ٹی کے شعبے میں پاکستان کو بھارت کا مدمقابل ہی نہیں سمجھا جاتا۔

پاکستان نے مواصلاتی لائنوں، ائیر ٹریفک سسٹم اور بھارت کے ڈیجیٹل ڈیفنس کنٹرول کو بھی غیر موثر کر دیا۔ بھارت کی بیشتر دفاعی اور سرکاری ویب سائٹس بھی ہیک کر لی گئیں۔ بھارت کے 70 فیصد علاقوں کو بجلی کی بندش کا سامنا رہا۔ سائبر اٹیک کے میدان میں یہ واقعتاً ناقابل یقین بات لگتی ہے۔

تجزیہ کاروں کو پاکستان کی کامیابی اور بھارت کو پہنچنے والے نقصان کا درست اندازہ لگانے میں مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ کچھ لوگ دبے الفاظ میں کہہ رہے ہیں کہ یہ پاکستان کی حکمت عملی تھی لیکن کچھ کا خیال ہے کہ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل تھی۔

پاکستان کے فوجی آپریشن میں جو اسلامی جذبہ تھا وہ ناقابل بیان اور یقینی تھا۔ آپریشن کا نام رکھے جانے سے لیکر حملوں سے متعلق لیے گئے ہر قدم پر اسلامی اصولوں کی پیروی کی گئی۔ افسروں اور سپاہیوں نے ہر قدم اٹھانے سے پہلے نعرہ تکبیر بلند کیا، ان کے پاس صرف اسلحے کی طاقت نہیں تھی، بلکہ

ایمان اور غیر متزلزل عزم بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا: یہی کہ بھارت جو مذاکرات کے ساتھ جنگ بندی کیلئے بھی تیار نہ تھا، وہ نہ صرف جنگ بندی پر آمادہ ہوا بلکہ مذاکرات پر بھی مجبور ہوا۔

برسوں کی اکڑ چند گھنٹوں میں پانی کی طرح بہہ گئی۔ جنوبی ایشیا کا جغرافیائی سیاسی منظر نامہ تبدیل ہو گیا ہے اور یہ پاک فوج کا ایمان، تقویٰ، جہاد فی سبیل اللہ میں یقین تھا جس نے جنوبی ایشیا میں طاقت کا توازن بدل تھا۔

پاکستان اور انڈیا کے درمیان خونریز جھڑپیں بلآخر سنیچر کی شام پانچ بجے امریکی ثالثی میں ہونے والی جنگ بندی کی وجہ سے رک گئیں۔ لیکن کئی سوال جیسے کہ یہ کہ تازہ جنگ کیسے ختم ہوئی، دونوں ممالک کو کتنی مہنگی پڑی اور جانی نقصان کتنا ہوا اب بھی جواب طلب ہیں۔

جنوبی ایشیا کے دو اہم اور جوہری صلاحیت کے حامل ممالک پاکستان اور انڈیا کے درمیان چھ اور سات مئی کے درمیان شروع ہونے والی کشیدگی 10 مئی کی صبح تک عروج پر پہنچ گئی تھی لیکن اس دوران بھی دونوں ممالک کو سیز فائر پر مائل کرنے کی کوششیں بھی جاری رہیں اور پھر 10 مئی ہی کی سہ پہر سیز فائر پر اتفاق کر لیا گیا۔

تناؤ کا آغاز تو 22 اپریل کو انڈیا کے زیر انتظام کشمیر کے سیاحتی علاقے پہلگام پر عسکریت پسندوں کے حملے میں 26 افراد کی اموات کے بعد ہوا لیکن شدت چھ اور سات مئی کے درمیانی شب انڈیا کی طرف سے 'آپریشن سندور' کے تحت پاکستان پر حملوں کے بعد ہوا۔

لگ بھگ 90 گھنٹوں تک جاری رہنے والی کشیدگی کے دوران جھڑپوں اور حملوں کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور 10 مئی کی صبح جب پاکستان نے آپریشن بنیان مرصوص کے تحت انڈیا میں مختلف تنصیبات کو نشانہ بنایا تو باقاعدہ جنگ کے خطرات منڈلانے لگے۔

اگرچہ پاکستان کے قریبی دوست ممالک بالخصوص سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات نے بھی کشیدگی میں کمی کی کوششوں میں حصہ لیا لیکن کلیدی کردار امریکہ کا رہا۔

انڈیا کے ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز لیفٹیننٹ جنرل راجیو گھائی نے اتوار کو پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا تھا کہ آپریشن سندور میں انڈیا میں پاکستان میں 'دہشت گردوں کے نوٹھکانوں' پر حملوں میں 100 افراد کو مارا جن میں ان کے بقول کچھ ہائی ویلیو ٹارگٹ تھے۔ اس بابت انہوں نے

یوسف اظہر، عبدالملک رؤف اور مدثر احمد جیسے افراد نے نام لیے۔ لیکن پہلے دو دن کے حملوں میں پاکستان کی طرف سے 33 اموات کی تصدیق کی گئی جن میں بچے اور خواتین بھی شامل تھیں۔

پاکستانی فوج نے منگل کو ایک بیان میں کہا کہ 6 اور 7 مئی کی درمیانی شب انڈیا کے حملے میں خواتین اور بچوں سمیت 40 شہریوں کی جان گئی جن میں 7 خواتین اور 15 بچے شامل ہیں۔

جبکہ پاکستانی فوج کے چھ اور فضائیہ کے 5 اہلکاروں سمیت 11 اموات ہوئیں۔

فوج کے شعبہ تعلقات عامہ کے ایک بیان میں کہا گیا کہ 10 خواتین اور 27 بچوں سمیت 121 عام شہر جبکہ افواج کے 78 اہلکار بھی زخمی ہوئے۔

بیان میں کہا گیا کہ انڈیا کی 'مسلح افواج نے بلا اشتعال اور قابل مذمت وحشیانہ حملے شروع کیے جن میں خواتین، بچوں اور بوڑھوں سمیت معصوم شہریوں کو نشانہ بنایا گیا۔'

پاکستان فوج کے ترجمان کے مطابق دو مقامات پر انڈیا کے ایس 400 بیٹری نظام کو کامیابی سے نشانہ بنایا گیا جبکہ براہموس میزائل کے بیاس اور نگروٹا میں موجود کے ذخائر کو بھی تباہ کیا گیا۔

پاکستان کی طرف سے انڈین حملوں میں اموات سے حتمی اعداد و شمار تو جاری نہیں کیے گئے تاہم کہا گیا کہ اس کے درجنوں فوجی مارے گئے۔

پاکستان فوج کی طرف سے یہ بھی کہا گیا کہ انڈیا کی طرف سے بھیجے گئے تمام 85 ڈرونز کو مار گرایا گیا۔

'اگر آپ غیر جانبدارطور پر بھی دیکھیں تو انڈیا کے رفال (لڑاکا طیاروں) کو تباہ کرنے کی خبروں کو انٹرنیشنل میڈیا پر بھی کوریج ملی جسے سے انڈیا کو پہنچنے والے نقصان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔'

پاکستان کا کہنا ہے کہ فضائی لڑائی میں انڈیا کے چھ طیارے بشمول تین رفال جہازوں کو مار گرایا گیا۔ انڈیا نے رفال طیارے گرائے جانے اور ان کی تعداد سے متعلق تصدیق تو نہیں کہ البتہ اس متعلق پوچھے گئے سوالات کے جواب میں انڈین ایئر فورس کے سربراہ کا کہنا ہے کہ 'نقصانات جنگ کا حصہ ہوتے ہیں۔'

پاک- بھارت جنگیں دو ہمسایہ ممالک کے درمیان کئی مسلح تصادم ہیں، جن میں سب سے نمایاں جنگیں 1947-48 (کشمیر پر پہلی جنگ)، 1965، 1971 (جس کے نتیجے میں بنگلہ دیش کا قیام عمل میں آیا)، اور 1999 (کارگل جنگ) ہیں، جن میں مسئلہ کشمیر اور سرحدی تنازعات بنیادی وجوہات رہے ہیں، اور حال ہی میں 2019 اور 2025 میں بھی سرحدی جھڑپیں اور تنازعات سامنے

آئے۔

اہم جنگیں:

1947-1948 (پہلی کشمیر جنگ): پاکستان نے قبائلی لشکر بھیج کر کشمیر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں ریاست کے کچھ حصے پاکستان اور کچھ حصے بھارت کے کنٹرول میں آ گئے۔

1965 کی جنگ: یہ پہلی بین الاقوامی جنگ تھی جس میں بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا، جس کا آغاز آپریشن جبرالٹر کے بعد ہوا۔ یہ جنگ ٹینکوں کی بڑی جنگ (چونڈہ) کے لیے مشہور ہے۔

1971 کی جنگ: اس جنگ میں بھارت نے مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں مداخلت کی، جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان آزاد ہو کر بنگلہ دیش بن گیا۔

1999 (کارگل جنگ): لائن آف کنٹرول پر مسلح جھڑپیں، جن کا اختتام جنگ بندی پر ہوا۔

حالیہ واقعات:

2019 سرحدی جھڑپیں: کشمیر میں لائن آف کنٹرول پر شدید فائرنگ کا تبادلہ ہوا۔

2025 کا تنازع: بھارت کی جانب سے مبینہ دہشت گرد کیمپوں پر حملے اور اس کے بعد جنگ بندی کا معاہدہ جس میں دونوں فریق اپنی فتح کا دعویٰ کرتے ہیں۔

ان جنگوں اور تنازعات کا بنیادی سبب کشمیر کا متنازع علاقہ ہے، اور ان کے نتیجے میں علاقائی صورتحال میں بدلاؤ آیا اور دونوں ممالک کے تعلقات میں کشیدگی برقرار رہی۔

آج کا پاکستان اور جنگ سے پہلے کا پاکستان صرف اس جذبہ جہاد اور ثابت قدمی جو کہ آپریشن بنیان مرصوص میں نمایاں تھی کی برکت سے مختلف ہے اور اپنی کھوئی ہوئی ساکھ کو بحال کر کے سرخ رو ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان

"اے ایمان والو! جب تمہاری مڈبھیڑ ہو جائے کسی دشمن فوج سے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کرو۔ امید ہے تم فلاح یاب ہو گے۔ (انفال)

جب بھی مسلمان ملک کو خطرہ درپیش ہو تو دنیائے اسلام متحد ہو کر کفارِ عالم اور دشمنانِ دین کے مقابلہ پر اُتر آئے۔ احکامِ خداوندی اور رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ مثالوں کو مشعلِ راہ بنائے۔

مجالس

سید الطائفہ قطب العالم قطب الاقطاب
حضرت اقدس
شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ

بروز پیر ۱۲ر محرم ۶۸ھ ۱۵ر نومبر ۴۸ء بانس بریلی

آج صبح کی سیر میں، میں نے وہ تمام گفتگو جو مولانا آزاد سبحانی سے کی تھی عرض کی، حضرت والاؒ نے فرمایا کہ مولانا آزاد سبحانی نے عربوں، یہودیوں کے متعلق جو باتیں بیان کی ہیں دل کو لگتی ہیں۔ میرے خیال میں عربوں کو چاہیے کہ یہودیوں سے صلح کر لیں اور ان کے ساتھ مل کر اپنے حالات درست کر لیں، اسرائیل گروہ سے علم سیکھیں۔

میں نے عرض کیا کہ برطانیہ اور روس بین الاقوامی پارٹیاں اپنی خودغرضی سے لڑ رہی ہیں عرب ایک پارٹی کا آلہ کار ہیں اور یہودی دوسری پارٹی کے، حضرت والاؒ نے فرمایا کہ ان کو خود سمجھ سے کام لینا چاہیے۔ میں نے عرض کیا کہ عرب برطانیہ اور امریکہ کی سرمایہ کاری کے پنجے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ فرمایا مشکلات تو ہوتی ہیں ان کو حل کرنا چاہیے۔

سیر کی واپسی پر حضرت والاؒ نے تخلیہ وضو فرما کر تخلیہ میں تشریف لے گئے اور دس بجے کے قریب فارغ ہوئے۔ آج سفر کے متعلق گفتگو فرمائی مگر بعض حضرات نے کل دونوں وقت کھانے کا اصرار کیا اور جمعرات کو حکیم صاحب کا اصرار تھا اور میلوں پر جانے والے لوگوں کا رش ہوا اس لیے جانے میں تکلیف ہوگی۔ مغرب کے بعد کی مجلس میں مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی اور خصوصاً خوابوں اور کشف قبور پر کچھ واقعات بمعہ فوائد بیان فرمائے۔ فرمایا قاری عبدالکریم نصیر پور رانجھا مضافات تخت ہزاروی کو کشف قبور ہوا کہ صاحب قبر کہہ رہا ہے کہ مدرسہ کے بچے میری قبر پر پیشاب وغیرہ کرتے ہیں بے احتیاط ہیں ان کو سمجھا دو یہ انہوں نے خود سنایا۔

نیز رانڈوں کے نکاح کی ترغیب میں راجپوت قوم کو متوجہ کرنے کیلئے ایک جلسہ کلانور میں ہوا تھا۔ وہاں مولانا عبدالعزیز صاحبؒ کو بھی حضرتؒ ساتھ لے گئے تھے۔ وہاں قاری صاحب موصوف بھی ساتھ

تھے۔ حضرت ملاں جی نے بیان کیا کہ قاری صاحب کا ارادہ وہاں کے قبرستان کے دیکھنے کا ہوا۔ تو ایک مقبرہ پر نظر پڑی تو رنگ زرد ہو گیا اور بتایا کہ اس قبر والا سخت عذاب میں مبتلا ہے۔ اُس نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں دہلی میں مسلمانوں اور مخلوق الٰہی پر ظلم ڈھایا تھا۔ جس کی پاداش میں پکڑا گیا ہے اور اس قبرستان کی بجائے اپنی طبیعت کے جذبات کی تسکین کیلئے دوسرے قبرستان میں چلے گئے وہاں جا کر خوش ہوئے۔ موضع چبہ تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا کے ایک بڑے زمیندار نیک آدمی فوت ہونے پر اس کے لواحقین کو کسی مرزائی نے کہہ دیا تھا کہ اس کو عذاب دیا جارہا ہے۔ وہ لوگ گھبرا کر قاری (عبدالکریمؒ صاحب ساکن نصیر پور کوٹ مومن ضلع سرگودھا) کے متعلق دریافت کیا تو قاری صاحب نے فرمایا کہ کسی نے جھوٹ کہا ہے یہ شخص تو بڑی اچھی حالت میں ہے اور اس کا ایمان خاص قسم کا ہے۔ جو ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا میں بیان کیا گیا ہے۔ فکر نہ کرو ایسا ایمان اعلیٰ درجہ کے اولیاء خاص کو ملا کرتا ہے۔ علماء تو صرف ترجمہ جانتے ہیں اور میں مردوں کے ایمان کا احساس کر لیتا ہوں۔ قرآن پاک میں کئی قسم کے ایمان بیان کیے گئے ہیں۔ الغرض اس مد میں کئی واقعات معتبر راویوں سے سنے ہوئے حضرت والاؒ نے بیان فرمائے۔

بروز بدھ ۱۴ ارمحرم ۶۸ھ ۱۷ ارنومبر ۴۸ء بانس بریلی

آج صبح کی سیر حسب معمول فرمائی۔ واپسی پر تخلیہ میں تشریف لے گئے اور قاری عبدالخالق صاحب کے صاحبزادہ اور ان کے ساتھی سعید صاحب ساکن علی گڑھ جن کا کاروبار نالوں وغیرہ کا بمبئی میں ہے۔ حضرت والاؒ سے بیعت ہونے کے شوق میں حاضر ہوئے ان دونوں کو اندر بلا کر بات چیت فرمائی۔ مغرب کے بعد کی مجلس میں فرمایا کہ ہر ممکن الوجود چیز جو وجود میں آ گیا اس کی الگ روح بھی اس کے مناسب حال ہوتی ہے، یہاں تک کہ شہروں، قصبوں، گاؤں، مکانوں، درختوں، کوئلہ، لکڑی، اینٹ، پتھر، حجر، شجر، دریا، سمندر، چاند، ستارے الغرض کوئی چیز ایسی نہیں جس کی الگ روح نہ ہو اور وہ روح اس شے کے مناسب حال ہوت چرتی ہے۔

ارواح آپس میں اپنے خاص طریق سے باتیں بھی کرتی ہیں اور اثر قبول کرتی اور اثر ڈالتی

بھی ہیں اور ان اشیاء کے برباد اور بظاہر نابود ہو جانے پر بھی انکا وجود فنا ہو جانا ضروری نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ کی وضاحت نے بہت سے مذہبی کتب میں بیان کیے گئے واقعات پر پیدا شدہ سوالات کو قابل فہم بنایا اور خصوصاً میر نظام الدین کی مجلس میں پیش آنے والے ابہاموں کو واضح کرنے اور حل کرنے کا راستہ پیدا کیا۔

یہ بیان میرے اس سوال پر بیان فرمایا کہ حضرت سید احمد بریلوی شہید بالاکوٹ کا ایک قلمی خط جو کتب خانہ باغ رائے پور میں مولانا اشفاق احمد صاحب کی تحویل میں ہے۔ اس میں سمندر کی روح کا سید صاحب سے آکر ملاقی ہونا، کوئلوں کا آپس میں یا سید صاحب سے کلام کرنا، مکان کا دوسری چیزوں سے سید صاحب کے بارے میں باتیں کرنا اور سید صاحب کا ان باتوں کو سن لینا جو بیان فرمایا ہے اس کی حقیقت ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت والاؒ نے بڑی مختصر مگر واضح تقریر فرمائی۔ اور فرمایا کہ بعض امور مثلاً نباتات میں حیات اور نباتاتی اشیاء کا آپس میں کلام کرنا ہنسنا، بولنا، محبت، نفرت وغیرہ تو بنگال کے ایک سائنٹسٹ نے جدید طرز تحقیق واستدلال سے ثابت کیا ہے ابھی خدا جانے اور کیا کیا انکشاف انسان پر ہونے باقی ہیں۔ اگر ریڈیو اور آج کل کی دوسری ایجاد کے متعلق کسی کو صدیوں پہلے مکاشفہ ہوتا تو وہ الفاظ کا جامہ پہنانے اور بیان کرنے میں اور اس دور کی معلومات کے دائرہ وضاحت کو کام میں لاتا مگر لوگ ان چیزوں وجود کے آنے سے پہلے اصل حقیقت کے ادراک سے باوجود سب کچھ سن لینے کے اتنے دور ہونے کے کہا جاسکتا تھا کہ جو کچھ ان مکاشفات کو بیان کرنے والوں کے الفاظ سے ان لوگوں نے نہ سمجھا وہ ان کی سمجھ میں آنے سے اتنا دور ہے کہ کوئی اس حقیقت نہ کو بیان کرسکتا ہے نہ تصور کرسکتا ہے۔

بلکہ اس کا خطرہ بھی کسی کے دل پر نہیں گزر سکتا کہ وہ کیا اور کیسا ہوگا۔ یہی حال آج بلکہ خاص وقت آنے سے پہلے جنت دوزخ اور تمام ان مغیبات کا ہے جو وحی الٰہی نے بیان کیے اور پیغمبروں نے وحی کے بیانات ممکن سے ممکن وضاحتیں فرمائیں یا مثالیں بیان فرمائیں۔

گوشۂ نفیس

مجلس حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرہ

حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضری ہوئی، آپ چارپائی پر آرام فرما رہے تھے "بینات" کا تازہ پرچہ ہاتھ میں تھا۔ مَیں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے اصلاح مفاہیم کے متعلق لکھا ہے اور کمال کر دیا ہے، اس تحریر کے بعد مزید کسی تحریر کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

فرمایا: رات عبدالرشید ارشد صاحب کا ٹیلیفون آیا تھا کہ آپ نے بینات پڑھا؟ مَیں نے کہا کہ مجھے تو ابھی ملا ہی نہیں۔ کہنے لگے، مولانا لدھیانویؒ نے اصلاح مفاہیم پر بہت عمدہ لکھا ہے، اب یہ رسالہ آیا ہے تو اُسی کو دیکھ رہا ہوں۔

[۱۲/صفر ۱۴۱۷ھ/۲۹/جون ۱۹۹۶ء بروز ہفتہ]

آج دوپہر کو حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ بھائی رحمت علی کی دوکان کے افتتاح کے موقع پر دُعا کیلئے جانا ہوا۔ وہاں آپ نے دُعا کے بعد سب کو نماز کی پُرزور تاکید فرمائی۔ وہاں ایک صاحب نے اہل بدعت کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ کہا کہ "پہلی دفعہ دیکھنے میں آیا کہ ان لوگوں نے تکبیر پڑھی جانے کے بعد سلام پڑھا پھر نماز شروع کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ کام بالکل غلط ہے، تم نے خدا رسول کو بالکل ملا دیا ہے۔" آپ نے فرمایا "یہ نہیں کہنا چاہیے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تم لوگ اللہ کے نبی کی مخالفت کرتے ہو، وہ ہم سے نہیں ہوسکتی۔"

نماز میں چار حالتیں ہیں:

فرمایا: دیکھو نماز میں چار حالتیں ہیں۔ (۱) قیام (۲) رکوع (۳) سجود (۴) قعدہ۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں درود و سلام قعدہ کی حالت میں یعنی بیٹھ کر پڑھنے کو بتلایا ہے اور یہ کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں۔

شاہی محلہ میں ایک روایت کے مطابق پانچ ہزار حافظ قرآن رہتے تھے۔ واپسی پر شاہی مسجد کے پاس

سے گزرتے ہوئے شہر کے بارے میں باتیں ہونے لگیں۔ فرمایا کہ شاہی محلہ پہلے زمانے میں بڑے بڑے لوگوں کا مسکن تھا۔ یہاں پانچ ہزار حافظ قرآن رہتے تھے، اسے سکھوں نے برباد کیا، رہی سہی کسر انگریزوں نے پوری کردی۔

مَیں نے لاہور میں ۱۹۵۱ء میں مستقل رہائش اختیار کی ہے۔

فرمایا: مَیں سب سے پہلے لاہور ۱۹۴۹ء میں آیا ہوں اور مستقل رہائش ۱۹۵۱ء میں اختیار کی ہے۔ سب سے پہلے الراعی بلڈنگ میں رہنا ہوا، یہاں مزدور پیشہ لوگ جو دوسرے شہروں سے آتے تھے، وہ کرایہ پر رہتے تھے اور سب کا کھانا اکٹھا پکتا تھا۔ آس پاس بالکل آبادی نہیں تھی۔

حضرت شاہ صاحبؒ اپنے قیام لاہور کے بارہ میں خود رقمطراز ہیں:

”ناچیز کو اچھی طرح یاد ہے جب ۲۳ر ستمبر ۱۹۵۱ء کو وارِدِ لاہور ہوا تھا۔ لاہور میں کچھ جاننے والے لوگ موجود تھے، اس لیے اُمید تھی کہ کوئی پریشانی نہ آئے گی، لیکن یہ توقع بالکل غلط ثابت ہوئی۔ لہٰذا کچھ وقت سراسیمگی میں گزرا، مزید برآں اسی عرصہ میں مجھے بخار بھی آنے لگا جس نے طوالت اختیار کرلی۔ اُن دنوں میرا قیام قطب الاقطاب حضرت سیدنا علی ہجویری گنج بخشؒ کی مسجد کے عقب میں تھا، دس روپے ماہوار پر ایک کمرہ لے رکھا تھا۔“

غالباً ۱۲ یا ۱۳ر اگست ۱۹۹۶ء کی بات ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ بیمار تھے۔ مَیں عابد کے ہمراہ بیمار پرسی کیلئے حاضر ہوا۔ میرے پاس اُس وقت حیدر آباد دکن کی چھپی ہوئی امام حاکمؒ کی ”معرفۃ علوم الحدیث“ تھی۔ آپ وہ لے کر دیکھنے لگے پھر فرمایا: حیدر آباد دکن سے ”زجاجۃ المصابیح“ بھی چھپی ہے مَیں یہ کتاب وہیں سے لے کر آیا تھا۔

اس کے مصنف بہت بڑے بزرگ مولانا سید عبداللہ شاہ صاحبؒ ہیں۔ مَیں نے ان کی زیارت کی تھی۔ پھر حضرت نے ان کے کچھ حالات سنائے۔ حضرت کی طبیعت میں نقاہت بہت تھی ؛اس لیے ہم جلد ہی اجازت لے کر چلے آئے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ وصول الی اللہ کے دو راستے ہیں (۱) محبت (۲) خدمت۔ دونوں میں سے قریب ترین راستہ خدمت کا ہے۔

روحِ سنّت

علامہ محمد اسد

سنت اپنی باطنی اور روحانی پہلو کے نقطہ نظر سے بھی اسی درجہ اہمیت رکھتی ہے جس درجہ کہ اپنے ظاہری پہلو کے لحاظ سے۔ ظاہری پہلو سے مراد اس کے اسناد کی تاریخی استواری ہے اور یہ وہ شے ہے جسے شرعی یا اس کی آئینی وفقہی حیثیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ سنت کی پیروی واطاعت کو اتنا ضروری کیوں سمجھا جاتا ہے کہ اس کے بغیر اسلامی زندگی کا صحیح مفہوم ہی متعین نہ ہوسکے۔ کیا اسلام تک رسائی حاصل کرنے کا اس کے سوا اور کوئی طریق نہیں کہ ہم اعمال وعادات اور اوامر ونواہی کے ایک وسیع وعریض سلسلہ ماننے پر مجبور ہوں، یہ مانا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت بڑے انسان تھے لیکن ان کی زندگی کے ہر کہر گوشہ کی تقلید واطاعت کے کہیں یہ معنی تو نہیں کہ اس سے فرد کی شخصی آزادی بالکل ختم ہوجاتی ہے۔

اعتراض کی یہ نوعیت بہت پرانی ہے کہ مسلمانوں کے اسباب زوال میں سب سے بڑا سبب یہی تھا کہ انہوں نے سنت کی اطاعت اور پیروی کے معاملہ میں تشدد اختیار کیا۔ ان کی یہ رائے ہے کہ اسلام کے بارے میں یہ طرزِ عمل آئندہ چل کر، انسان کی حریت رائے پر بہت بڑی قدغن ثابت ہوسکتا ہے۔ معاشرہ کے طبعی ارتقاء کو روک دینے کا باعث بن سکتا ہے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلام کا مستقبل بہر حال سنت کے صحیح صحیح موقف کی تعیین کے ساتھ وابستہ ہے، اگر سنت کا مقام وموقف سمجھ میں آگیا تو اسلام کی روح کو اپنا لینے میں کوئی دشواری حائل نہیں اور اگر سنت کے مقام وموقف کی تعبیر میں غلطی ہوئی تو اسی نسبت سے ہم اسلام کے مستقبل کو تاریک بنا دینے کے ذمہ دار قرار پائیں گے۔

ہمیں بجا طور پر ناز ہے کہ اسلام دوسرے ادیان کی طرح متصوفانہ اذعان کا قائل نہیں، بلکہ اس کے دروازے ہمیشہ معقول بحث وتمحیص کے لیے کھلے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہم صرف یہ معلوم کرنے پر اکتفا نہیں کرتے کہ سنت نے کن چیزوں کو ہمارے لیے ضروری ٹھہرایا ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ بھی معلوم کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ اس کی تہہ میں کیا اسباب وعلل کارفرما ہیں۔

اسلام کا مزاج ایسا ہے کہ توحید کو صرف عقیدہ تک محدود نہیں رکھتا بلکہ چاہتا ہے کہ زندگی کے

تمام گوشے اسی رنگ میں رنگے جائیں اور عقیدہ وفکر کے دائروں سے نکل کر اس کے تسلط و اقتدار کے دائرے عمل و حرکت کے ایک ایک حصہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیں، پھر چونکہ اس مقصد جلیل تک پہنچنے کا تنہا یہی راستہ ہے اس لیے قدرتاً اس کی آغوش میں تمام مدرکات آگئے ہیں اور اس جامعیت کے ساتھ کہ نہ تو ان پر رتی بھر اضافہ ممکن ہے اور نہ یہی ہوسکتا ہے کہ ان میں ذرہ برابر بھی کمی کردی جائے۔ انتخابیت (Electicism) اور پسند کو اس میں دخل نہیں۔ جب ہم نے ان تعلیمات کو تسلیم کرلیا جن کو قرآن حکیم نے ہم تک پہنچایا ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تک ہماری ان تک رسائی ہوئی ہے تو ہمارے لیے ضروری ہوجاتا ہے کہ ان کو پورا پورا مانیں اور بغیر کسی استثناء کے سب کی حقانیت پر ایمان لائیں ورنہ یہ اندیشہ ہے کہ یہ اپنی اصلی قدر و قیمت اور افادیت کھودے گی۔

اسلام کے بارے میں یہ بنیادی غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ یہ چونکہ عقل و دانش کی اہمیتوں کو مانتا ہے اس لیے اس کی تعلیمات کے رد و قبول میں ہر شخص مختار ہے کہ جس حصہ کو معقول سمجھے مان لے اور جن کو عقل و دانش کی کسوٹیوں پر پورا اترتا ہوا نہ دیکھے ترک کردے، یہ غلط فہمی اس بنا پر ابھری کہ لوگ موجودہ عقلیت کے مفہوم سے ناآشنا ہیں۔ موجودہ عقلیت اور چیز ہے اور نفس عقل اور چیز۔ جہاں تک دینی تعلیمات کا تعلق ہے اس کے دائرہ فرائض میں صرف یہ بات داخل ہے کہ یہ دیکھے کہ جو کچھ اس مذہب کی طرف سے عائد کیا جارہا ہے آیا اس کو بہ آسانی سے برداشت کرسکتی ہے، بغیر اس کے کہ یہ فلسفہ کے چکروں میں پڑے اور اس کی سحر طرازیوں سے متاثر ہو۔

اسلام سے متعلق عقل و دانش کے بے لاگ فیصلہ یہی ہے جس کا اظہار کئی مرتبہ ہوچکا ہے کہ یہ اس کے تقاضوں کے عین مطابق ہے، جس شخص کا بھی دامن تعصبات سے پاک ہے وہ اس کی تعلیمات کو عقل و حکمت کے تقاضوں کے خلاف نہیں ٹھہراسکتا۔ رہی یہ بات کہ اسلام کی بعض حقیقتیں اس کو فہم و ادراک کی معمولی سطحوں سے اونچی نظر آتی ہیں تو یہ ممکن ہے مگر اس کو تناقض نہیں کہیں گے۔

عقل اور فلسفہ عقلیت کے فرق کو زیادہ وضاحت سے سمجھنے کے لیے اس حقیقت پر غور کیجیے کہ ان کے حدود و فرائض کیا ہیں؟ مذہبی امور میں عقل کا فریضہ بس اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ آلہ تسجیل کی طرح ہر ہر معاملہ میں جو پیش آئے، ہاں یا نہ ثبت کردے اور بس جب کہ عقلیت اس حیثیت پر قانع نہیں، یہ اس سے آگے بڑھ کر خیال آرائی کے میدانوں میں قدم زن ہوتی ہے۔ پھر صرف عقل کی طرح

اس کی حیثیت ایک مستقل بالذات اور منفرد ظہور کی بھی نہیں بلکہ یہ سراسر موضوعی اور مزاج سے تعلق رکھنے والی چیز ہے۔ عقل تو اپنے حدود کو پہچانتی ہے مگر عقلیت کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ اس کا یہ ادعا ہے کہ تمام عالم اور اس کے اسرار و رموز اس کی انفرادی چھیٹ میں آتے ہیں اگرچہ فی الواقع اس کا دائرہ حد درجہ تنگ ہے، ایک بین تضاد عقلیت میں یہ بھی ہے کہ یہ امور دین میں تو ایسے حقائق کو مان لینے پر آمادہ نہیں جو فکر و اندیشہ کی گرفت میں آنے والے نہ ہوں۔ لیکن جب معاملہ علم کا ہو تو پھر اس کی رائے یہ ہوتی ہے کہ بحر ناپیدا کنار ہے اور کوئی ضروری نہیں کہ اس کی تمام پہنائیاں انسان معلوم کر ہی لے۔

عقلیت یا فلسفہ عقلی پر ضرورت سے زیادہ اعتماد ہی ایک بڑا سبب ہے الحاد و انکار کا۔ اسی سبب سے بہت سے عصری مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا غیر ضروری سمجھا۔ لیکن ہم یہ کہے دیتے ہیں کہ یہ حد سے بڑھا ہوا اعتماد صحیح نہیں۔ بات اتنی واضح اور بے چارگی اس درجہ مسلم ہے کہ اس کی قطعی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ کانٹ عقلیت کے قلعہ پر یہ کہہ کر پھر ایک دفعہ حملہ کرے کہ عقل کی پرواز محدود فضاؤں ہی میں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جہاں تک دماغ و فکر کی افتاد مزاج کا تعلق ہے یہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کارخانہ ہست و بود میں جو ایک طرح کی کلیت جاری و ساری ہے اس کی حقیقت و کہنہ کو معلوم کر سکے۔ ہم جو کچھ معلوم کر سکتے ہیں وہ صرف تفصیلات و عوارض ہیں۔ ازلیت تک ہماری رسائی نہیں ہو سکتی۔ مزید برآں ہمارے علم کی نارسائی کا یہ حال ہے کہ ہم اب تک یہ بھی نہیں جان پائے کہ خود یہ طلسم زندگی کیا ہے؟

دینی عقائد کے معاملہ مین جو کہ فوق الادراک بنیادوں پر قائم ہیں ہمیں ایک ایسی رہنمائی کی ضرورت ہے جس کی عقلی صلاحیتیں فلسفہ مادی کی بخشی ہوئی صلاحیتوں سے کہیں زیادہ ہوں۔ عمومی و موضوعی عقل سے کہیں بڑھ کر اس کی خوبیاں ہوں جس سے کہ ہم سب بہرہ مند ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ ہمیں ایک پیغمبر کی ضرورت ہے۔

اگر ہمیں قرآن کے بارے میں یہ یقین ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ہمارا ایمان ہے تو نہ صرف اخلاقی نقطہ نظر سے بلکہ عقلاً بھی مجبور ہو جاتے ہیں کہ آپ کی رہنمائی پر آنکھیں بند کر کے بھروسہ کریں۔ آنکھیں بند کر کے بھروسہ کرنے کے معنی یہ نہیں کہ ہم غور و فکر کی صلاحیتوں سے دست بردار ہو جائیں بلکہ اس کے برعکس اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا بہترین

استعمال کریں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے اوامر ونواہی کے پیچھے جو معانی وحکمت پنہاں ہیں اُن کا کھوج لگانے کی پوری پوری کوشش کریں۔ چاہے ہم اس کھوج اور تفحص میں کامیاب ہوسکیں یا نہ ہوسکیں ۔اس ناکامی کے بعد بھی اطاعت بہرحال ضروری ہے۔اس کو سپاہی یا فوجی کی مثال سے سمجھنے کی کوشش کیجیے۔فرض کیجیے کہ سپہ سالار عسکر نے اسے ایک خاص اہمیت کی جگہ پر قبضہ کرنے کا حکم دیا ہے۔اس صورت میں اس فوجی کا یہ فرض ہے کہ فی الفور اس جگہ کو گھیر لے پھر اگر حکم کی اس تعمیل کے ساتھ ساتھ اپنے افسر کے اس حکم کی جنگی اہمیت کو بھی سمجھتا ہے تو یہ اس کے لیے اور فوج کے لیے بلاشبہ خوش آئند ہے لیکن اگر اس کی جنگی قدر وقیمت اُس کی سمجھ میں نہیں آئی تب بھی تعمیل حکم اس پر لازم ہے اور اس کو یہ اختیار ہرگز حاصل نہیں ہے کہ اس میں ردوقدح کرے یا اس کو ٹال جائے۔ہم مسلمانوں کا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا عقیدہ ہے کہ آپ اس عسکر اسلام، اور سپاہ ایمان کے بہترین اور کامیاب ترین سالار وقائد ہیں اور امور دین کے اجتماعی وروحانی پہلوؤں کو اس سے کہیں اچھی طرح سمجھتے ہیں جتنا کہ ہم سمجھ سکتے ہیں۔لہٰذا جب آپ ہمیں کوئی حکم دیں گے یا کسی معصیت سے روکیں گے تو ہم لا حالہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ انسانی اصلاح کے لیے بہر حال ایسا حکم دینا ناگزیر ہے اور اس میں روحانی واجتماعی پہلوؤں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

یہ ممکن ہے کہ یہ پہلو کبھی تو بالکل واضح ہوں اور کبھی اس شخص کی گرفت میں نہ آسکیں جس کو کہ دینی امور میں زیادہ مہارت نہیں۔اسی طرح کبھی کبھی تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے احکام واوامر میں جو گہری حکمت پوشیدہ ہے وہاں تک انسانی فہم کی رسائی ہوجاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صرف سطحی اسباب وحکم تک ہی نظر وبصر کے دائرے پھیل کے رہ جاتے ہیں۔دونوں صورتوں میں اطاعت وفرمانبرداری کے سوا چارہ نہیں بشرطیکہ ان احکام کا ثبوت مستند ہو۔پھر ان احکام واوامر کی ایک تقسیم اہم اور نسبتاً کم اہم کی بھی ہے۔اس صورت میں ہمارے لیے یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ اہم کو ترجیح دی جائے لیکن کسی حکم کو بھی اس گمان فاسد کی بناپر چھوڑ دینا روا نہیں کہ اس میں کوئی بنیادی اہمیت دکھائی نہیں دیتی۔کیونکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم سے متعلق قرآن میں صراحۃً آیا ہے ”وہ کوئی بات بھی اپنی طرف سے کہنے کے مجاز نہیں“ (النجم:۸) اس کے صاف صاف معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک کوئی کلمہ نہیں کہتے ہیں جب تک کہ اس کی کوئی مثبت وجہ سامنے نہ آئے۔اور یہ کہ

......جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس پر آپ کو مامور نہ فرمائے۔ یہ ہے وہ سبب جس کی وجہ سے قالب وقلب دونوں لحاظ سے ہم سنت کی پیروی پر مجبور ہیں بشرطیکہ ہمارا نقطہ نظر اسلام کے بارے میں مختلف نہ ہو۔

پھر جب پیروی سنت کے ایجابی تقاضے ابھر کر سامنے آگئے تو یہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہوگیا ہے کہ سنت نے اسلام کی جس اجتماعیت کی تشکیل کی ہے اس کے حکم واسرار پر غور کرے اور یہ بتائے کہ اس تفصیلی نظام حیات کے اندر کیا روح کارفرما ہے جس کو مسلمان، ولادت سے لے کر موت تک کے تمام لمحوں میں ملحوظ رکھتا ہے اور جس پر کہ عمل پیرا ہونا اس کے لیے ضروری ہے۔ اس نظام حیات میں وہ مسائل بھی داخل ہیں جو خاص اہمیت رکھتے ہیں اور وہ بھی جن میں بظاہر کوئی اہمیت نظر آتی۔ مسلمان کو اس حقیقت کا کھوج لگانا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہر بات میں اپنے اسوہ کی پیروی واطاعت پر کیوں زور دیا ہے؟ مثلاً اگر میرے دونوں ہاتھ صاف ہیں تو بائیں ہاتھ سے کھالینے میں کیا مضائقہ ہے، یا داڑھی رکھ لینے اور منڈا ڈالنے میں کیا فرق ہے، یہ اور اس طرح کے دوسرے مسائل کیا ایسے نہیں جن کا تعلق سراسر صورت وقالب سے ہے؟ کیا ان مسائل کا تعلق انسانی ترقی سے ہے اور اس سے معاشرہ فلاح وبہبود میں کوئی اضافہ ہوتا ہے؟ اس مرحلہ پر ہمارا فرض ہوجاتا ہے کہ ان سوالات کا متعین جواب دیں۔ کیونکہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام کی ترقی وانحطاط کا دارومدار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر ہے۔ اگر پیروی واطاعت موجود ہے تو ترقی پائی جائے گی اور اگر بدقسمتی سے اطاعت وفرمانبرداری کا داعیہ کمزور ہے تو تو اسی نسبت سے انحطاط وتنزل کا پیش آنا لازمی ہے، ہمارے نزدیک ہر ہر معاملہ میں سنت کی پیروی کی اہمیت کئی وجوہ سے ہے:

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس طرح انسان کی عادات واطوار کے لیے ایک سانچہ مہیا ہوجاتا ہے اور ہر ہر شخص ایسی زندگی بسر کرتا ہے جس میں شعور کارفرما ہے۔ بیداری جلوہ گر ہے اور ضبط نفس نمایاں ہے۔ وہ کام اور وہ اعمال وافعال، جن کی تہہ میں کوئی قاعدہ اور ترتیب نہ پایا جائے فکر وروح کی ترقی میں رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں، لہٰذا ایسے تمام اعمال وافعال کی مقدار انسانی زندگی میں ممکن حد تک کم ہونا چاہیے کیونکہ ان سے فکر وروح کا ارتکاز تباہ ہوجاتا ہے اور وہ اس لائق نہیں رہتی کہ اپنی صلاحیتوں کو کسی ایک مرکز پر مجتمع کرسکے اس لیے ہم جو قدم بھی اٹھائیں اور جو کام بھی کریں اس کو ہمارے شعور اور ارادہ کے مطابق ہونا چاہیے اور اس پر اخلاقی نگرانی جاری رہنا چاہیے۔ مگر یہ اس وقت تک ہونے والا

نہیں جب تک کہ ہم اپنے فکر وشعور کی جنبشوں کا محاسبہ کرنا نہ سیکھیں۔ حضرت عمرؓ نے اعمال کی اسی حقیقت کو اس جامع ومانع جملے میں نہایت کامیابی سے ادا فرمایا ہے: ”حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا“ اس سے پہلے اپنے محاسبہ نفس سے فارغ ہوجاؤ کہ عند اللہ تمہارا محاسبہ ہو۔

اس سے پہلے ہم اشارۃً بتا چکے ہیں کہ اسلامی نظریہ عبادت صرف عبادات ہی کو اپنی آغوش میں نہیں لیتا ہے بلکہ اس میں ہماری پوری زندگی کا انعکاس ہوتا ہے اور اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ ہماری ذات کی روحانی ومادی دونوں پہلوؤں میں ایک طرح کی وحدت پیدا ہوجائے۔ اگر یہ صحیح ہے تو حیات انسانی میں ان تمام عوامل کو حتی المقدور کم ہونا چاہیے جن میں شعور وضبط نفس کے عناصر کا فقدان ہو اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ محاسبہ ونگرانی کے اس عمل کو ہم جاری رکھیں۔ یہ اس سلسلہ کا پہلا قدم ہے اور وہ یقینی راستہ ہے جس سے ہم ضبط نفس کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ اگر ہم روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں سنت کی پیروی کا خیال رکھتے ہیں اور عادۃً ہمارے قدم اسی سمت اٹھتے ہیں تو یہ چھوٹے چھوٹے کام بھی بڑی ہی اہمیت کے ثابت ہوتے ہیں کیونکہ ان کا محاسبہ نفس اور ضبط ونگرانی کے ذریعے ہمیشہ بیدار رہتے ہیں۔ رہے بڑے بڑے کام تو ان کے متعلق تو شعور کی بیداری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہ تو شعور کے بغیر ہو ہی نہیں سکتے۔ شعور وادراک کا دامن تو اس وقت چھوٹتا ہے جب چھوٹے چھوٹے ناقابل التفات کاموں کا سامنا ہو۔ اس وقت یہ عموماً دھوکہ دیتے ہیں اور ذہن وفکر کو غافل رکھتے ہیں، ہاں اگر ان حقیر اور کم درجہ کے اعمال میں بھی مراقبہ وضبط کی عادت قائم رہتی ہے تو پھر ان کی منفعت دوچند ہوجانے میں کیا شبہ ہے؟

بظاہر واقعی اس بات میں کوئی اہمیت محسوس نہیں ہوتی کہ ہم کس ہاتھ سے کھاتے ہیں۔ دائیں ہاتھ سے یا بائیں ہاتھ سے۔ ہم نے داڑھی بڑھا رکھی ہے یا منڈوا رکھی ہے۔ لیکن اگر ہمارے اعمال میں ایک تنظیم رونما ہے اور ہم ایک خاص سانچہ میں اپنی عادات کو ڈھالنے کی عادی ہیں تب انہیں چھوٹی چھوٹی باتوں کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے کیونکہ مسلسل ضابطہ وترتیب کا خیال رکھنا اور اپنے قواعد وپابندیوں میں بندھا ہوا محسوس کرنا آسان نہیں۔ اگرچہ انسان اس طرح کی خاص تربیت پائے ہوئے ہو۔ وجہ ظاہر ہے۔ ذہن انسانی بھی اسی طرح کسل وتساہل کا عادی ہے جس طرح کہ انسانی جسم وعضلات۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ اگر آپ کسی ایسے آدمی کو پیدل چلنے کی زحمت دیں گے جو اپنے گوشہ

عافیت ہی میں بیٹھ رہنے کا عادی ہے جو کبھی چلا پھرا نہیں تو وہ چند ہی قدم چل کر تھک جائے گا اور ایک قدم آگے نہیں بڑھا پائے گا۔ بخلاف اس کے کہ جو میلوں چلنے کا عادی ہے، اس سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ طویل سے طویل سفر کو بغیر کسی زحمت کے جاری رکھ سکے گا۔ یہ بھی اگرچہ سفر کی کوفت محسوس کرے گا لیکن گھبرائے گا نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوگا کہ اس کوفت میں بھی لذت کا ایک پہلو پایا جاتا ہے اور یہ اس سے مانوس ہے۔ یہ ہے فلسفہ سنت کی ہمہ گیریوں کا۔ اور یہ دوسری تعلیل ہے جس سے اس حقیقت کی وضاحت ہوتی ہے کہ کیوں سنت زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہے۔

جب ہم اسی طرح مسلسل مشق و تمرین سے اپنے تمام اعمال و متروکات کو امر و نہی کے دو خانوں میں تقسیم کر دیں گے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نفس و شعور میں ضبط و انضباط کے دواعی راسخ ہو جائیں گے اور زندگی کا یہ نہج طبیعت ثانیہ بن جائے گا۔ یہی نہیں اس کا یہ فائدہ بھی ہوگا کہ جس نسبت و مقدار سے محاسبہ کی مشق و تمرین کا یہ سلسلہ دراز ہوتا جائے گا اسی نسبت سے اخلاق و ذہنی کسلمندیاں کم ہوتی چلی جائیں گی۔ اور اہم اخلاق و ادب کی منزلوں کے زیادہ قریب ہو جائیں گے۔

مشق و ترمین کا لفظ یہ چاہتا ہے کہ اس کی تہہ میں شعور و احساس کا جذبہ ہمیشہ کارفرما رہے کیونکہ اگر عمل بالسنۃ کی سطح سے اس حد تک آ گرے کہ ہماری تمام زندگی مکانکی ہو کر رہ جائے اور بے جان مشینری کی طرح التزامات و منہیات کا عملیہ جاری رہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ سنت نے اپنی قدر و قیمت کھو دی۔ اور وہ روح ختم ہو گئی جو مقصود اصلی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آخری دور میں کیا ہوا؟ یہی نا کہ ظواہر سنت تو قائم رہے اور ان کا چرچا بھی ہوا مگر ان کے ساتھ جو احساس محاسبہ اور جذبہ نگرانی وابستہ تھا وہ جاتا رہا۔ صحابہ کی زندگیاں اس انداز کی نہ تھیں، ان کی پیروی سنت کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو جان بوجھ کر اور شعور و ادراک سے مالا مال ہو کر ایک ہادی اور رہنما کے سپرد کر دیا تھا تاکہ وہ ان کے اعمال کی سمتوں کو قرآن کی ڈھال کی طرف پھیر دے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سنت کی پیروی سے وہ وہ فوائد حاصل کیے جو دوسرے نہیں حاصل کر سکے اور اس میں خطا اس نظام سنت کی نہیں۔ ان مسلمانوں کی ہے جو ان طریقوں کی کماحقہ پیروی نہ کر سکے جو ان کے لیے وضع کیے گئے تھے۔

عمل بالسنۃ کی اہمیت کو ختم کرنے والے عوامل میں پہلا نمبر تصوف کا ہے، اس نے ان قوتوں

کو کمزور کیا جن کا تعلق انسانی فعالیت سے ہے اور ان صلاحیتوں کو چمکایا جن کا تعلق انسان کی داخلی تاثر پذیریوں سے ہے۔ عمل بالسنۃ کو عملی زندگی میں ختم کر دینا تو تصوف کے لیے اس بنا پر ممکن نہ تھا کہ ابتداء ہی سے اس کو اسلامی زندگی میں ایک بنیادی عنصر کی حیثیت حاصل رہی ہے لیکن صوفیائے عظام کی کوششوں سے اتنا ضرور ہوا کہ اس کا مزاج اور رخ بکسر بدل گیا ورنہ بجائے ایک فعالی قوت وحرکت ہونے کے محض افلاطونی زمزیت ہو کر رہ گیا۔ فقہاء اور عامۃ الناس کے نقطہ نظر سے بھی اس کو گزند پہنچا ہے کیونکہ فقہاء نے سنت سے یہ مراد لیا کہ یہ محض ایک قانون ہے اور سلسلہ ضوابط سے تعبیر ہے اور عوام نے یہ خیال کیا کہ ایک خوبصورت صدف ہے جو معنی کے درِ شہوار سے بالکل تہی ہے لیکن تعجب اس پر ہے کہ مسلمانوں کے تمام گروہوں نے اگرچہ قرآن اور اس کی ان تعبیرات وتشریحات سے کماحقہ استفادہ نہیں کیا جو سنت میں مذکور ہیں۔ تاہم اسلامی تعلیمات کا وہ سرچشمہ جو سنت سے فیضیاب ہوتا ہے جوں کا توں قائم رکھا ہے۔ اور اس میں کوئی عملی دشواری حائل نہیں کہ اس کی طرف دوبارہ رجوع کیا جا سکے۔ پھر سنت جیسا کہ مغرب زدہ معاندین اسلام سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کی کوششوں سے ہم تک نہیں پہنچی ہے جو فریسیوں کی طرح الفاظ پرست اور جامد ہوں بلکہ یہ ان لوگون کی مساعی جمیلہ کا نسخہ ہے جو بلا کا شعور رکھتے تھے، اس کا صحیح صحیح اندازہ کرنا ہوں تو صحابہ کو دیکھو، ان میں یہی صفات تھیں جو ان کا طرۂ امتیاز ہیں، ان کو تاریخ میں حیرت انگیز کامیابی کیوں نصیب ہوئی؟ اسی بناء پر کہ ان میں ہمیشہ ذہنی شعور زندہ رہا۔ یہ سنت کی ایک ایک جزئی میں جو حکمت عمل پوشیدہ ہے اس سے باخبر رہے اور ان ذمہ داریوں سے آگاہ رہے جو مذہب نے ان کے کندھوں پر ڈالیں، سنت کی اہمیت کا یہ ہے انفرادی پہلو۔

دوسری وجہ جس سے کہ عمل بالسنۃ کا فلسفہ واضح ہوتا ہے، یہ ہے کہ اس برکت سے اجتماعی زندگی کا تصور پیدا ہوتا ہے اور اجتماعی خیر وفلاح کا ایک نقشہ ترتیب پاتا ہے۔ کبھی آپ نے غور کیا عام انسانوں میں اختلافات کا کیا سبب ہے اور یہ کیونکر بڑھتا اور فروغ پاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ چونکہ ہر ہر شخص کے دل میں دوسروں کے اعمال ومقاصد کے بارہ میں ایک طرح کی غلط فہمی پائی جاتی ہے اس لیے کوئی بھی ایک دوسرے کو سمجھنے کی سعی نہیں کرتا اور یہ غلط فہمی کیوں پیدا ہوتی ہے؟ اس لیے کہ ہر ہر شخص کے مزاج وطبیعت کا یہ قدرتی اختلاف صرف معمولی اختلافات پیدا نہیں کرتا بلکہ اس سے ہر ہر قوم کی عادات واطوار کا ایک نہج متعین ہوتا ہے اور جب ان عادات واطوار کے مطابق زندگی بسر کرتے کسی قوم

پر ایک عرصہ گزر جاتا ہے تو یہی عادات واطوار کا اختلاف تہذیب وتمدن کا اختلاف بن جاتا ہے اور باہمی اتفاق واتحاد کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوتا ہے پھر اگر کوئی قوم یہ فیصلہ کر لیتی ہے کہ اس کی زندگی میں ایک ہم آہنگی پیدا ہو جائے اور اس کی عادات واطوار اور تہذیب وثقافت کا ایک متعین قالب تیار ہو جائے تو ان میں باہمی اختلاف ہو جاتا ہے اور یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ ایک دوسرے کے اعمال ومقاصد کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔

اسی بناء پر اسلام نے جو انفرادی بہبود کے ساتھ ساتھ اجتماعی فلاح و بہبود کا بھی ضامن ہے اپنی تعلیمات میں اس نکتہ کو بنیادی ٹھہرایا کہ معاشرہ کے تمام افراد میں عادات واطوار کی یکسانی پائی جائے اور ان میں سنت کے التزام سے ایسے کوائف بیدار ہو جائیں جو ہر حال میں ان کے تہذیبی وذہنی اتحاد کو برقرار رکھیں چاہے ان کے اجتماعی واقتصادی حالات ایک دوسرے سے کتنے ہی مختلف اور جدا کیوں نہ ہوں۔

یہ سچ ہے کہ بعض لوگ سنت کے اس نظام میں ایک گونہ سختی اور تشدد محسوس کریں گے لیکن اس کی اس خدمت کو کون بھلا سکتا ہے کہ اس نے اسلامی معاشرہ کو استحکام بخشا ہے۔ اس کو ایک متعین شکل اور صورت میں ڈھالا ہے اور ہر ہر نزاع واختلاف پر غور کیجیے جو مغرب میں معاشرتی اصلاحات کے نام سے وقوع پذیر ہوئے اور ایسا ہونا ضروری بھی تھا کیونکہ اس طرح کے مسائل کسی قوم میں اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب لوگ یہ محسوس کرنے لگیں کہ ہمارے بعض قوانین اور رسم ورواج مکمل نہیں ہیں اس لیے ان میں کچھ تبدیلیاں ہونی چاہئیں۔ اہل مغرب نے چونکہ اپنے ہاں ان نقائص کو پالیا اس لیے اصلاح کے درپے ہوئے، مسلمان اس صورت حالات پر اس بنا پر محفوظ رہے کہ یہ اپنے آپ کو قرآن کا پابند ٹھہراتے ہیں اور اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے تمام اعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے مطابق ہونے چاہئیں، یہ اصول اپنی جگہ ایسا مستحکم اور استوار ہے کہ اس کو اپنانے کے بعد تبدیلی وتغیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا الا یہ کہ خود یہ اصول ہی شک وریب کا نشانہ بنیں۔ اور ان کی صداقت ہی محل نظر قرار پائے۔

اس سے ہم مسلمانوں میں اتحاد واتفاق کے اس امکان کو عملاً نافذ ہوتے دیکھ سکتے ہیں جس کو ''بنیان مرصوص'' کے الفاظ سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اور اگر ہم اس اصول کو پوری طرح حرز جاں بنائیں تو

معاشرہ ان تمام بے کار اور لا طائل کوششوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے جو فروعی مسائل کے لیے کی جاتی ہیں، پھر اگر معاشرہ ان اختلافات سے باز آ جائے جس کو جدل و بحث کے تقاضوں نے پیدا کیا ہے اور اس پریشانی خاطر سے دستکش ہو جائے جس کو کہ کلامی موشگافیوں نے جنم دیا ہے اور اس کے بعد اس کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت کی پیروی پر رکھی جائے تو ایسے مواقع نکل آئیں گے کہ معاشرہ اپنی تمام صلاحیتوں کو افراد کی اجتماعی و انفرادی فلاح و بہبود کے لیے استعمال میں لائے بھی نہیں بلکہ معاشرہ کے لیے یہ بھی ممکن ہو جائے گا کہ تمام افراد کے روحانی ارتقاء کے لیے مؤثر جد و جہد کر سکے۔ انسانی معاشرہ کی تنظیم و اصلاح کا یہی وہ نصب العین ہے جو اسلام کی اصلی غرض و غایت ہے۔

عمل بالسنۃ میں جو تیسری بڑی مصلحت ہے اس پر غور کریں، یہ تو ظاہر ہے کہ ہم جب عمل بالسنۃ کی ذمہ داری قبول کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کو پیش نظر رکھیں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عمل کی ہر ہر صورت میں چاہے وہ اختیار پر مبنی ہو، چاہے تحرک پر، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی پر غور و فکر کرنے کی عادت ڈالیں گے کیونکہ ہمیں اپنے تمام اعمال کا جائزہ لینا ہے اور اپنی پوری زندگی میں یہ دیکھنا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی کا مقصد پورا ہو رہا ہے یا نہیں۔ اس طرح گویا ایک عظیم ترین انسانی شخصیت کے اثر و نفوذ کو ہمارے روزمرہ کے مشاغل میں منعکس ہونے کا موقع میسر آئے بلکہ یہی وہ روحانی اثر و نفوذ ہوگا جو ہماری زندگی کی مشینری کو متحرک رکھے گا اس کا یہ فائدہ بھی ہوگا کہ شعوری یا غیر شعوری طور پر ہم یہ رائے رکھنے پر مجبور ہوں گے کہ علاوہ اس کے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ترین اخلاقی پیغمبر ہیں۔

آپ صلّی اللہ علیہ وسلم ایک مکمل زندگی بخشنے والے بھی ہیں، اس مرحلہ پر جب کہ عمل بالسنۃ کی یہ فصل اختتام کو پہنچ رہی ہے، ہمیں اس بات کا فیصلہ بھی کر لینا چاہیے کہ ہم آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے منصب و موقف کے بارہ میں کیا رائے رکھتے ہیں، کیا ہم انہیں دوسرے مصلحین و حکماء کی طرح صرف ایک حکیم مصلح اور فلسفی ہی سمجھتے ہیں یا اللہ کا ایسا فرستادہ خیال کرتے ہیں جو ہر آن وحی و الہام کی روشنی میں اس کی اطاعت و پیروی میں مصروف ہے۔ جہاں تک قرآن کا تعلق ہے اس کا نقطہ نظر اس سلسلہ میں بالکل واضح ہے اور کہ اس میں کسی غلط فہمی کے ابھرنے کا امکان ہی نہیں کہ اللہ کا یہ بندہ جس کو

نبی آخرالزمان قرار دیا گیا ہے اور جس کو تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اس کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا کہ صبح وشام زندگی کے ہر ہر عمل میں اللہ کی وحی اس کے قلب وفکر کو روشنی بخشے اور یہ وحی وہدایت کے ان انوار سے اس کے بندوں کے لیے اجالوں کا بندوبست کرے۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق یہ وضاحت صحیح ہے تو اس کا انکار یا اس کی تعلیمات کے بعض حصوں میں کا انکار بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا انکار ہوا یا کم از کم اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس کی عطا کردہ ہدایت کی قدر وقیمت گھٹادی گئی ہے اور یہ وضاحت درست نہیں ہے کہ ہم اس خیال کو منطقی طور پر آگے بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات کوئی آخری فیصلہ نہیں ہیں اور موجودہ مسائل ومشکلات کا کوئی دوسرا معقول حل بھی سوچا جاسکتا ہے تو یہ خیال اور جن نتائج کی طرف بھی خیال لے جائے، وہ اسلام کی روح سے بہرحال متفق نہیں ہوسکتا کیونکہ قرآن نے اس معاملہ میں دوٹوک رائے کا اظہار فرمایا: ’’الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا‘‘ آج میں نے تمہارے لیے دین مکمل کردیا اور اپنی نعمتیں انجام تک پہنچادیں اور تمہارے لیے ادیان میں اسلام کو پیروی واطاعت کے لیے چن لیا۔

ہم اسلام کو تمام تمدنی تنظیمات سے بلند اور اونچا مانتے ہیں کیونکہ یہ پوری زندگی سے تعرض کرتا ہے، اس میں دنیا کی گتھیوں کو بھی سلجھایا گیا ہے اور عقبیٰ کی پیچیدگیوں کو بھی۔ نفس روح کے مسائل بھی اس کی لپیٹ میں آتے ہیں اور جسم کے تقاضے بھی فرد کی زندگی کا نقشہ بھی یہ کھینچتا ہے اور اجتماعی زندگی کی تشکیل بھی اس کے فرائض میں شامل ہے، یہ صرف اس سے بحث نہیں کرتا کہ انسان کو مادی وطبعی قیود سے آزادی دلانے بلکہ ان مادی وطبعی قیود کا خیال بھی رکھتا ہے، یہ انسان سے محالات کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ اس کا تقاضا صرف اس حد تک محدود ہے کہ انسان میں جس قدر صلاحیتیں مضمر ہیں ان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے اور ایسی سطح تک پہنچنے کی جدوجہد کی جائے جو حق سے قریب تر ہے جس میں رائے اور عمل میں کامل ترین توافق ہے۔ اسلام صرف ایک راہ نہیں بلکہ تنہا یہی راہ ہے جو حق وصواب کی طرف لے جانے والی ہے۔ پس اس کی اطاعت عین اسلام کی اطاعت ہے اور اس کی اطاعت سے روگردانی حقیقتِ اسلام سے روگردانی کے مترادف ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد پر سب سے پہلا فتوائے تکفیر تحریک ختم نبوت تاریخ کے آئینے میں

قومی اسمبلی پاکستان ۱۹۷۴ء میں قادیانی مسئلہ

پر بحث کی مصدقہ رپورٹ قسط 79

(انگریز خود قانون شکن تھا، مرزا ناصر کا اعلان)

مرزا ناصر احمد: نہیں، نہیں، میں...... میری بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ جس وقت...... یعنی میں تو یہ بتا رہا ہوں کہ میری سمجھ کے مطابق اس ساری Struggle (کوشش) میں قانون شکنی کی پہلی ذمہ داری انگریز نے اپنے سر پر رکھی۔ اس واسطے ان کے مخالف جو جدوجہد ہو رہی تھی۔ خواہ وہ کانگریس کی تھی یا مسلم لیگ کی تھی یا مسلمانوں کے کسی اور گروہ کی تھی۔ میری یعنی جو میں نے سٹڈی کیا ہے۔ میں اپنی رائے بتا رہا ہوں آپ کو، میری رائے کے نزدیک انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرنے والوں پر قانون شکنی کا الزام لگایا ہی نہیں جا سکتا۔ خواہ بظاہر یہ نظر آ رہا ہو۔ کیونکہ قانون شکنی کرنے والے وہ خود تھے۔ جنہوں نے قانون بنایا تھا مثلاً جلیانوالہ باغ ہے۔ انگریز کی حکومت نے وہاں Slaughter (خون ریزی) کی ان کو اجازت نہیں دی تھی۔ خود ان کا قانون اس کی اجازت نہیں دیتا اور اگر کوئی کہے کہ گولیاں چلیں اور تمہیں آرام سے بیٹھے رہنا چاہئے کیونکہ قانون شکنی نہیں جائز، تو یہ تو غلط ہے میرے نزدیک۔ جب انگریز نے قانون شکنی کر دی تو ان کے خلاف جدوجہد جائز ہے اور Constitution (آئینی) ہے میرے نزدیک۔

جناب یحییٰ بختیار: مرزا صاحب! آپ نے میرے لئے ایک دوسرا مشکل مسئلہ کھڑا کر دیا ہے......

مرزا ناصر احمد: جی۔

جناب یحییٰ بختیار: یہ...... وہ اس واسطے میں عرض کرتا ہوں......

مرزا ناصر احمد: جی۔

723

جناب یحییٰ بختیار: ...... کہ ہم جو قانون پڑھتے ہیں، جو تھوڑا بہت سمجھتے ہیں۔ اس کے مطابق آپ کہتے ہیں انگریز نے قانون شکنی کی۔ انگریز کہتا ہے کہ اگر میں نے قانون شکنی کی تو اس کا فیصلہ آپ نہیں کریں گے۔ وہ عدالت کرے گی۔ اگر آپ نے کی، اس کا بھی فیصلہ عدالت کرے گی۔ تو آپ کی سمجھ کے مطابق درست ہو گا یہ کہ دفعہ ۱۴۴ غلط لگائی گئی۔ مگر اس کے لئے عدالت جانا پڑتا ہے۔ وہاں Revision (نگرانی) اور اپیل ہے اس کے لئے۔ تو میں کہتا ہوں کہ وہ طریقہ ہم نے نہیں اختیار کیا۔ ہم نے کہا ''نہیں، ہم نہیں مانتے۔'' تو یہ میں بات کر رہا ہوں......

مرزا ناصر احمد: ہاں، ہاں۔

جناب یحییٰ بختیار: ......کہ انہوں نے غلطی کی۔ یہ غیر قانونی جدوجہد تھی کہ ۱۴۴ کو Violate (توڑا) کیا۔ آرڈر غلط تھا۔ آپ کی بات سو فیصد درست ہے کہ ڈی سی نے ناجائز طور پر لگایا مگر ہائی کورٹ میں Revision (نگرانی) ہے اس کی۔

مرزا ناصر احمد: جی، تو یہ...... آپ کا سوال ختم ہو جائے تو پھر مجھے بتا دیں۔

جناب یحییٰ بختیار: ہاں، یہ میں کہہ رہا ہوں وہ تو اور فیلڈ میں چلا جاتا ہے۔

مرزا ناصر احمد: انگریز کہتا ہے......

جناب یحییٰ بختیار: قانون کہتا ہے۔

مرزا ناصر احمد: نہیں، انگریز، یعنی انگریزی حکومت۔ ہم نے وہ مثال لے لی ہے ناں ایک۔

جناب یحییٰ بختیار: ہاں۔

مرزا ناصر احمد: انگریزی حکومت کہتی ہے کہ ''ہم نے قانون شکنی نہیں کی''......

جناب یحییٰ بختیار: ہاں جی۔

مرزا ناصر احمد: ......اور جو اس کے خلاف جدوجہد کرنے والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ: ''تم نے پہل کی قانون شکنی میں۔'' انگریزی حکومت کہتی ہے کہ ''تم ہمارا جو ہے کورٹ، عدلیہ جو ہے، اس کے پاس جاؤ۔'' اور وہ جو، جس پر وہ الزام لگاتے ہیں، غلط میرے نزدیک کہ تم قانون شکنی کر رہے ہو۔ وہ کہتا ہے کہ ''تمہارا ڈی سی تو قانون شکنی کرنے والا ہے، اس کے پاس ہم کیسے جائیں گے؟''

724 جناب یحییٰ بختیار: نہیں، ہائی کورٹ میں Revision ہو سکتی ہے۔

مرزا ناصر احمد: ساری ان کا وہ تو، ساری حکومت کا تانا بانا خراب ہو چکا تھا۔

جناب یحییٰ بختیار: نہیں، وہ تو سب ٹھیک ہے۔ میں یہی، مرزا صاحب! عرض کر رہا ہوں کہ ناجائز قانون...... روز قانون بنتے ہیں، وہ بظاہر ٹھیک معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ان کا استعمال غلط ہوتا ہے۔ ورنہ یہ اختیار جو ہے اس پر بھی کسی زمانے میں بڑے فائدے تھے اور بڑے لوگوں کو فائدہ بھی پہنچا۔ ابھی بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ بڑی جلدی ہمارے فیصلے ہو جاتے ہیں بشرطیکہ ڈی۔سی۔ ایماندار ہو، بشرطیکہ جرگہ ممبر ایماندار ہو۔ جب یہ شرطیں آ جاتی ہیں تو آپ کو پتہ ہے کہ معاملہ ذرا مشکل ہی ہو جاتا ہے۔

تو بہر حال انگریز نے ایک سسٹم رکھا تھا کہ اگر میرا قانون غلط استعمال ہوتا ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ غلط ہوا۔ کسی جگہ غلط آرڈر پاس کیا ہو۔ ناجائز آرڈر پاس کیا ہے۔ قانون کے مطابق نہیں پاس کیا۔ تو عدالت سے فیصلہ کراؤ گے۔ تو خود قانون کو اپنے ہاتھوں میں نہیں لو گے۔ میں کہتا ہوں کہ جب لوگ قانون اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انگریز نے تو بات ٹھیک کہی ہے۔ مگر آج دفعہ ۱۴۴ کا آرڈر ہوتا ہے کہ کل جلسہ نہیں

ہوگا۔ میں کہاں ہائی کورٹ پہنچوں۔ کیسے آرڈر لوں؟ یہ مشکلات آتی رہتی ہیں تو اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ہم قانون شکنی اس طرح سے کرتے ہیں کہ قانون اپنے ہاتھ میں لیں گے۔ جلسہ ضرور کریں گے۔ جلوس ضرور نکالیں گے۔ *Technically speaking, Sir, they do violate law.*

Mirza Nasir Ahmad: *In the eyes of the foreign rulere.*

Mr. Yahya Bakhtiar: *No, that is what I say any......*

مرزا ناصر احمد: نہیں، اگر ہماری بھی آنکھوں میں یہی ہے......

جناب یحییٰ بختیار: ہاں جی، یہی میں کہہ رہا ہوں کہ Foreign ruler جو ہے اس کے خلاف جدوجہد ہے۔ اس نے قانون بنایا ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ''میرا قانون یہ ہے کہ اگر میں ایک غلط فیصلہ لیتا ہوں۔ آپ عدالت میں جا کر اس کو درست کرا دیجئے۔ اگر غلط ہے Set aside کرا دیجئے۔ مگر آپ اس کے خلاف قدم نہیں لیں گے۔'' میں کہتا ہوں کہ ''صاحب! آپ [725] نے آرڈر دیا ہے کہ کل جو میرا جلسہ ہے وہ نہیں ہوگا کیونکہ دفعہ ۱۴۴ آپ نے لگا دی ہے۔ یہ ناجائز ہے۔'' کہتا ہے ''Revision کرو۔'' میں کہتا ہوں: ''Revision کروں گا، جناب! تو مجھے دو تین دن کی ضرورت ہے۔ یا اگر ۲۴ گھنٹے کی ضرورت ہو۔ ہائی کورٹ میں ایک دن میں پہنچ بھی جاؤں گا تو مجھے یہ سب انتظامات کینسل کرنے پڑیں گے۔'' تو وہ کہتا ہے ''جلسہ پھر دو دن کے بعد کرلو۔'' وہاں سے بھی Reasonable بات معلوم ہوتی ہے۔ یہاں سے بھی Reasonable بات معلوم ہوتی ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ ''ہم تو ہائی کورٹ نہیں جاسکتے، اس پر کافی دیر لگے گی۔ اس لئے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم جلسہ ضرور کریں گے۔'' میں اس Situation کا کہہ رہا ہوں کہ آپ کہتے ہیں کہ انگریز نے قانون شکنی کی۔ انگریز کے نقطہ نظر سے قانون کی نظر سے اس نے قانون شکنی نہیں کی۔ قانون شکنی وہ خود کہہ رہے ہیں کہ ''جی ہم کر رہے ہیں، ہم اپنے آپ کو جیل جانے کے لئے Volunteer کر رہے ہیں۔ ہم جلسہ کریں گے۔ قانون اپنے ہاتھ میں لیں گے۔ جہاں تک جلسہ جلوس کا تعلق ہے۔ میں ان کے فعل کے بارے میں کہہ رہا ہوں کہ ان کو آپ Justify کریں گے یا نہیں؟

مرزا ناصر احمد: یہاں اب دو سوال میرے ذہن میں اٹھتے ہیں۔ ایک میں نے یہ سوچا کہ کیا میرا اپنا دماغ مجبور ہو جائے گا کسی وقت کہ قانون شکنی، بظاہر قانون شکنی کئے بغیر میں اپنے سیاسی حقوق کو حاصل کرسکوں؟ تو میرے دماغ نے جواب دیا نہیں۔ میرے دماغ نے جواب دیا کہ تجھے اللہ تعالیٰ...... میں اپنی بات کر رہا ہوں......

جناب یحییٰ بختیار: ہاں جی۔

(انگریزوں کو سمندر میں دھکیلا جاسکتا ہے، مرزا ناصر)

مرزا ناصر احمد: ...... یا اپنی جماعت کی...... وہ فراست دی ہے کہ ظاہری طور پر قانون شکنی کئے بغیر

بھی، اس مثال میں، انگریزوں کو سمندر میں دھکیلا جاسکتا ہے۔ یہ ایک جواب ہے۔

دوسرا جواب ہے ان دوستوں کا جو یہ سمجھتے ہیں یقین، دیانت داری کے ساتھ، کہ انگریز نے قانون توڑ دیا اور وہ یقین رکھتے ہیں دیانت داری کے ساتھ کہ اس کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ جہاں سے اپنے حقوق کی حفاظت ہم حاصل کرسکیں۔ کیونکہ ان کی جو عدالت ہے۔ کورٹس ہیں، وہ بھی انہی کی ہیں اور اوپر کے حاکموں کے اشارے پر وہ چل رہے ہیں۔ جو حصہ ہمارے ملک کا[726]......اور اب ہم بات کررہے ہیں مسلم لیگ کی...... یہ سمجھتا تھا اور دیانت داری کے ساتھ یہ سمجھتا تھا کہ انگریز قانون توڑ چکا ہے۔ ان کے اوپر میرے نزدیک دیانت داری سے یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا کہ انہوں نے بغاوت کی۔

جناب یحییٰ بختیار: اچھا جی۔ اس کے بعد پھر میں دوسرے صفحے پر جاؤں گا......

مرزا ناصر احمد: یہ اگر پانچ منٹ رہ گئے ہیں......

جناب یحییٰ بختیار: نہیں، اس لئے کہہ رہا ہوں کہ پانچ منٹ میں چونکہ ابھی میں نے جانا تھا۔ اس تمہید کے ساتھ، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی طرف، جس کو بعض لوگ انگریز کی طرح سے غدر کہہ دیتے ہیں۔ تو اس لئے اس پر میرے خیال میں کچھ ٹائم لگے گا۔

مرزا ناصر احمد: ہاں، ٹائم لگے گا۔

(جناب چیئرمین: یہ کتابیں ان کی پہنچادیں۔

Hazrat Maulana Attaullah, a lawyer definitely needs five minutes of recess after he has finished his cross- examination; this is my feeling as a lawyer. So, for five minutes, allow Mr. Attorney-General to have a rest.

(حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب جرح ختم کرنے کے بعد یقیناً وکیل کو پانچ منٹ کا وقفہ درکار ہوتا ہے۔

یہ میرا خیال بطور وکیل کے ہے۔ اس لئے اٹارنی جنرل صاحب کو پانچ منٹ آرام کے لئے دیئے جاتے ہیں)

Mr. Yahya Bakhtiar: *I had to go to the Defence College from 8 o'clock.*

(جناب یحییٰ بختیار: مجھے ایک تقریر کے سلسلے میں آٹھ بجے ڈیفنس کالج جانا تھا)

Mr. Chairman: *Yes. So, this is my personal request to Hazrat Maulana Attaullah.*

(جناب چیئرمین: جی ہاں! تو یہ میری ذاتی گذارش ہے۔ حضرت مولانا عطاء اللہ کو یہ کتابیں ان کو دے دیں ناں جی! یہ آپ کے لئے ہے۔ This is food for thought. (یہ غور کرنے کا مقام Any then honourable members want to say anything. ہے کیا کوئی معزز رکن کچھ کہنا چاہتے ہیں)

میاں محمد عطاء اللہ: ایک بات میں ضرور کہنا چاہتا ہوں......

727 جناب چیئرمین: ہاں جی، فرمائیے۔

(میں مولانا نہیں، میاں عطاء اللہ)

میاں محمد عطاء اللہ: ......چیئرمین صاحب! کہ میں مولانا نہیں ہوں۔ نہ ہی مولانا کہلانے کا حق دار ہوں اور آپ سے پہلے ہمارے سپیکر صاحب تھے، ہمارے موجودہ صدر، انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا تھا۔ میں نے ان کی خدمت میں مؤدبانہ عرض کی تھی کہ میں گناہ گار آدمی ہوں۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ مولانا کہلاؤں کیونکہ مولانا کا درجہ بہت اونچا ہوتا ہے اور میں اپنے آپ کو ایک حقیر انسان سمجھتا ہوں۔ اس واسطے یہ مناسب نہیں ہے کہ آپ مہربانی سے مجھے مولانا نہ کہا کریں۔ ایک بات دوسری میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اٹارنی جنرل صاحب کو ہم جا کے کچھ چیزیں وقتاً فوقتاً عرض کرتے رہتے ہیں......

Mr. Chairman: *Nothing wrong with it.*

میاں محمد عطاء اللہ: ......تو اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں ہے تو ہم نہیں بتائیں گے۔

جناب چیئرمین: نہیں، نہیں، بالکل۔

میاں محمد عطاء اللہ: اور کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کی فوری طور پر نشاندہی کرنی پڑتی ہے......

جناب چیئرمین: لازمی، لازمی۔

میاں محمد عطاء اللہ: ......کیونکہ وہ اس وقت کے سوالات کے متعلق Relevant ہوتی ہیں۔

جناب چیئرمین: بالکل ٹھیک ہے۔ میں آپ سے Agree (اتفاق) کرتا ہوں۔ صرف یہ ہے کہ پانچ منٹ کے لئے ان کو کبھی کبھی rest (آرام)......

میاں محمد عطاء اللہ: اس میں کوئی بات نہیں۔

Mr. Chairman: جی! *Should I adjorn the House?*

(جناب چیئرمین: کیا ایوان کا اجلاس ملتوی کر دیا جائے)

باقی آئندہ

تحریک آزادی کی ایک نامور شخصیت

اسیر مالٹا مولانا عزیر گل (رحمۃ اللہ علیہ)

تحریر: مجاہد واحد سجاد

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور انقلاب دہلی کی ناکامی کے بعد انگریز کو ہندوستان پر غلبہ کلی حاصل ہو گیا تھا، انگریزی غلبے کے باوجود مسلمانوں کا جذبہ آزادی بیدار رہا، اس کی وجہ مختلف اوقات میں مختلف تحریکوں کا جنم لینا تھا۔ ہندوستان کو انگریزی تسلط سے نجات دلانے کے لیے ۱۸۶۵ء میں فکر ولی الٰہی کے حامین نے ایک جماعت قائم کی۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور دیگر علماء کرام اس تحریک کے روح رواں تھے۔ خلافت عثمانیہ کے خاتمے، جنگ طرابلس و بلقان، سانحہ کانپور اور تقسیم بنگال کی تنسیخ نے مسلمانوں کو مشتعل کر دیا تھا۔

یہ فضا انگریز حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے نہایت سازگار تھی چنانچہ شیخ الہندؒ نے مولانا سندھیؒ کو نے جنود اللہ کے نام سے ایک تنظیم قائم کر کے کام شروع کر دیا، ترکی اور افغانستان کی حکومتوں سے انگریزوں کے خلاف ایک معاہدہ کیا اور ایک ریشمی رومال پر انگریز کو برصغیر سے نکالنے کی سکیم اور اس کی جزئیات لکھ کر بجھوائیں جس میں افغانستان کے حملے اور ترکی کی امداد کا تذکرہ تھا۔

بد قسمتی سے یہ ریشمی رومال رب نواز نامی شخص کے ہاتھ لگ گیا جو انگریز حکومت کا جاسوس تھا، اس نے گورنر پنجاب سر مائیکل اوڈوائر تک یہ ریشمی خط پہنچا دیا۔ یہی تحریک، تحریک ریشمی رومال سے معروف ہوئی۔ ہماری نئی نسل تحریک ریشمی رومال سے شائد آگاہ نہ ہو جس کی وجہ نام نہاد تاریخی نگاروں کی بے اعتنائی ہے حالانکہ آزادی کی تحریکات میں یہ انتہائی منظم تحریک تھی ابتداء انگریز حکومت کو اس کی خبر تک نہ ہوئی، اگر یہ تحریک اپنے مقاصد کو اس کی خبر تک نہ ہو جاتی تو برصغیر ۱۹۴۷ء سے بہت پہلے آزادی کی نعمت سے مالا مال ہو چکا ہوتا لیکن ریشمی رومال کے ہاتھ لگ جانے سے انگریز حکومت کو جنود اللہ کی سرگرمیوں کا علم ہو گیا اور یہ تحریک ناکام ہو گئی۔ اس تحریک کے اہم کردار مولانا عزیر گل ہیں۔ تحریک آزادی کے مدوجزر سے واقفیت رکھنے والے اصحاب کے لیے اسیر مالٹا عزیر گل کا نام شاید نیا نہ

ہو مگر بہت کم لوگ ، اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ تحریک آزادی کا یہ اہم کردار مالاکنڈ ایجنسی کے مشہور مقام سخاکوٹ کے قریب ''میرے'' نامی ایک چھوٹی سی بستی میں وفات پاچکے ہیں۔

مولانا عزیر گل شیخ الہند مولانا محمد محمود حسن کے معاونین خاص میں سے تھے۔ شیخ الہند نے جب حجاز کی طرف ہجرت کی تو مولانا عزیر گل ان کے ہمراہ تھے، تحریک ریشمی رومال کی ناکامی پر جب اس تحریک کے قائدین، معاونین اور سرگرم کارکنوں کو اندرون ہند اور بیرون ہند گرفتار کیا گیا تو شیخ الہند کے ہمراہ مولانا عزیر گل بھی گرفتار ہوئے اور ساڑھے چار سال تک جزیرہ مالٹا میں ان کے ساتھ ہی بند رہے۔

مولانا عزیر گل کی شادی ایک نومسلم خاتون سے ہوئی جن کا پہلے بھی ایک بچہ اور ایک بچی تھی، آپ کی بیوی بھی جہان فانی سے رحلت کر چکی ہیں۔ البتہ انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ ایک مضمون کی صورت میں تحریر کیا جو ماہنامہ ''الفرقان لکھنؤ'' اور دیگر جرائد میں شائع ہوا جس میں انہوں نے وہ تمام حالات تحریر کیے ہیں جن کا انہیں سامنا کرنا پڑا۔ اسلام قبول کرنے کے باعث ان کے شوہر نے ان سے قطع تعلق کر لیا تو انہوں نے مولانا عزیر گل سے اس بات کا تذکرہ کیا۔

انہوں نے اس کی تفصیلات حضرت شیخ الہند کی خدمت میں بیان کیں حضرت نے سن کر مولانا عزیر گل کو اس نومسلم خاتون سے شادی کر کے اس کا ہاتھ پکڑنے اور سہارا بننے کا حکم دیا، چنانچہ نکاح ہو گیا، وہ خاتون قبول اسلام کا واقعہ اپنے مضمون میں تحریر کرتی ہیں۔ عزیر گل صاحب کو جب یہ بات (شوہر کے قطع تعلق والی) معلوم ہوئی تو انہوں نے میرا ہاتھ تھامنے کی پیش کش کو قبول کر لیا۔ میں جانتی تھی کہ ان کے یہاں غربت ہے افلاس ہے۔ پردہ ہے مگر میرے لیے تو یہی اللہ کی پسندیدہ جگہ تھی۔ ان کے گھر میں میں نے سیکھا کہ خود بھوکے رہ کر مہمانوں کی تواضع میں کیا لذت ہے۔

عزیر گل صاحب کے گھر میں مجھے زندگی کی حقیقی راحت ملی وہ نہایت شریف اور مہربان شوہر ثابت ہوئے۔ یوں بھی وہ سید ہیں اور انہوں نے سیادت کی لاج رکھی ہے ان کے اجداد عرب سے افغانستان اور افغانستان سے ہندوستان آگئے تھے اور راہ حق کی مسافرت میں مشرق و مغرب کے لیے

ہماری راہ ایک تھی۔ ہماری منزل ایک تھی، ہماری روحیں ہم آہنگ تھیں ہم دونوں اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کا ارادہ لے کر اٹھے تھے۔ (بحوالہ کیوں مسلمان ہوئے؟)

مولانا عزیر گل کی اہلیہ کے مضمون کے اس اقتباس سے مولانا کی سیرت وکردار پر بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ وہ کس حد تک گھریلو زندگی میں شفیق ومہربان تھے۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ بڑے نامور لوگوں کا جلوت میں کچھ اور طرز عمل ہوتا ہے اور خلوت میں کچھ اور۔ مولانا عزیر گل کو نام ونمود اور نشر واشاعت سے سخت برہمی ہوتی۔ اگر کوئی شخص ان کے پاس انٹرویو یا سیاسی گفت وشنید کے حوالے سے بات چیت کا تقاضا کرے تو وہ ناراض ہو جاتے کہ نیکی کے کام میں اخلاص ہو تو تب ہی وہ کام آئے گا۔ نمود ونمائش نیکی کو غارت کر دیتی ہے۔

البتہ اگر شیخ الہندؒ کا تذکرہ چھڑ جائے تو پھر اپنے شیخ کی باتیں اور ایام اسیری کے واقعات نہایت خوشی سے سناتے تھے، ان کے چہرے کا اتار چڑھاؤ، اس بات کا غماز ہوتا جیسے وہ اس وقت بچشم خود شیخ الہندؒ کو دیکھ رہے ہیں۔

مولانا عزیر گل کے بیٹے اپنی زمین میں کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں۔ بڑے بیٹے مولانا عبدالرؤف سخاکوٹ میں دکانداری کرتے ہیں۔ نہ معلوم مولانا عزیر گل کی طرح کتنے تحریک آزادی کے سپاہی گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے ہوں گے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم آزادی کے ان اہم کرداروں سے نئی نسل کو روشناس کرائیں اور ان کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں تاکہ آئندہ نسلیں اپنے تابناک ماضی اور اپنے نامور اسلاف کے کارناموں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی راہ عمل متعین کر سکیں۔

حضرت خلیل احمد سہارنپوریؒ کی کرامات

(تحریر: محمد دین شوقی،)

حلال نہیں، حرام ہے

ایک دفعہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ حج پر تشریف لے جارہے تھے کہ عدن پر جہاز ٹھہرا تو کشتی والے طرح طرح کی چیزیں فروخت کرنے کے لیے لائے، مینڈک جیسا ایک جانور جس کو بیچ میں چاک کر کے گوشت کا عضلہ سا بنا لیتے ہیں، بکثرت فروخت ہوتا اور عرب اس کو خاص رغبت سے کھاتے ہیں، حضرت کو مچھلی سے رغبت تھی اور ایک عرب نے شوق دلایا کہ اس کو کھا کر دیکھئے، مچھلی سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے،

آپ نے اس کو خریدنے کے لیے مجھ سے فرمایا، چنانچہ میں نے دو کشتی میں ڈال دیئے کہ جتنا آوے دیدے، وہ جہاز پر بھی نہ آنے پایا تھا کہ آپ دفعتاً گھبرائے اور فرمایا کہ مولانا عاشق الٰہی ذرا ٹھہرو، میرے خیال میں تو یہ حرام ہے، حلال نہیں کہ مچھلی نہیں ہے، کوئی دریائی جانور ہے مگر احناف کے نزدیک سوائے مچھلی کے کوئی بحری جانور حلال نہیں ہے،

چنانچہ تحقیق ہوا کہ حضرت کا خیال صحیح ہے اور عرب چونکہ زیادہ تر شافعی ہیں اس لیے اس کو حلال سمجھتے ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی سب خرید کر بلاتکلف کھاتے ہیں کہ حلت وحرمت کی تحقیق کا واہمہ بھی پیدا نہیں ہوتا۔

(تذکرۃ الخلیل)

مرد نہیں، عورت ہے:

ایک بار حرم میں تلاوت قرآن مجید کی آواز آئی جس کی طرف بے اختیار دل کھنچتا تھا، ذرا دیر میں ڈھٹ لگ گئے، آپ بھی چلتے چلتے رک گئے اور سننے لگے مگر شاید ایک منٹ بھی پورا نہ ہوا تھا کہ آپ نے فرمایا کہ پڑھنے والی عورت معلوم ہوتی ہے، سننا جائز نہیں' وہاں سے چل دیئے، منہ پر چونکہ نقاب تھا، اس لیے عورت مرد کی شناخت ناممکن تھی،

مجھے حیرت ہوئی اور میں نے عرض کیا، حضرت نے کیسے سمجھا کہ یہ عورت ہے؟ فرمایا اس کی

گنگوہی تیار ہی ہے کہ مرد کی آواز نہیں ہے، مجھے کرید ہوئی اور معلوم ہوا کہ بیشک وہ عورت مصریہ تھی۔
(تذکرۃ الخلیل)

دشمن اگر قوی است، نگہبان قوی تر است:

مولانا عاشق الٰہی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اہل وطن شیعہ میں میرے خلاف شورش برپا ہوئی اور اتفاق سے کوتوال شہر شیعہ آگیا، جس پر نازاں ہوکر انہوں نے کوشش کی کہ مجھ پر آفت آئے، میں نے پریشان ہوکر وطن چھوڑنا چاہا اور حضرت کو لکھا تو جواب آیا بالکل نہ ڈرو، دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است۔

وطن کیا، محلہ بھی چھوڑنے کی ضرورت نہیں، میں دعا کرتا ہوں انشاء اللہ بال بھی بیکا نہ ہوگا اور دشمن خائب وخاسر ہوگا، حضرت مستجاب الدعوات تو تھے ہی، اسی وقت دل کو سکون ہو گیا اور چند ہی روز گزرے تھے کہ کوتوال کا بدنامی وذلت کے ساتھ تبادلہ کا حکم آگیا۔
(تذکرۃ الخلیل)

جواب آیا اور مشکل حل ہوگئی:

مولانا لطیف احمد صاحب لکھتے ہیں، بندہ جب ۱۲۴۰ء میں ضلع سوات میں ملازم ہوکر آیا تو ایک دیندار شخص حافظ عبدالرحیم نام آئے اور کہنے لگے تم مولانا خلیل احمد صاحب سے بھی واقف ہو، میں نے کہا خوب اچھی طرح، کہنے لگے مولانا کی ہستی اس وقت بے نظیر ہے،

بارہ سال ہوئے مجھے ایک مصیبت پیش آئی اور میں گھبرا گیا، غیبی مدد کو ایک ردی کاغذ پڑا پایا، اس کو اٹھا کر دیکھا تو اس میں لکھا تھا کہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری مستجاب الدعوات ہیں اور ان کی کوئی دعا رد نہیں ہوتی، اس وقت میں نے مولانا کو خط لکھا اور اپنی مصیبت کو حال چاہا ادھر جواب خط آیا، ادھر میری مشکل حل ہوگئی اور چونکہ میں بھی اس وقت سخت مشکلات میں مبتلا تھا، اس لیے وہ بھی لکھیں حالانکہ اس وقت تک مجھے حضرت سے بیعت نہ تھی مگر حضرت کا جواب! مسرت بخش آیا اور اس کے آنے ہی کی دیر تھی کہ ان کا اور میرا کام ایسا ہوا کہ خود مجھے بھی تعجب ہے، پھر بندہ بیعت بھی ہوا۔
(تذکرۃ الخلیل)

خواتین کے صفحات

خادمۃ القرآن

عورتوں کی ناشکری

عورتوں کے مختلف امراض

ناشکری کا مادہ عورتوں میں بہت زیادہ ہے، حدیث میں بھی عورتوں کی اس صفت کا ذکر آیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار عورتوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ ''تکفرن اللعن وتکفرن العشیر'' کہ لعنت اور پھٹکار بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ ایک حدیث میں ہے اگر تم عورت کے ساتھ عمر بھر احسان وسلوک کرتے رہو پھر کبھی کوئی بات اس کے مزاج کے خلاف ہو جائے تو صاف یوں کہیں گی: ''ما رأیت منک خیرا قط'' کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی، ساری عمر کے احسان کو ایک منٹ میں بھلا دیتی ہیں۔

ناشکری کا مرض

عورتوں میں ناشکری کا مادہ زیادہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ ان کو ضرورت کے موافق سامان عطا فرما دیں تو یہ اس کو غنیمت نہیں سمجھتیں نہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرتی ہیں بلکہ ناشکری کرتی ہیں کہ ہائے ہمارے پاس کیا ہے، کچھ بھی نہیں، حدیث میں بھی ان کی اس صفت کا تذکرہ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناشکری کا مادہ عورتوں میں ہمیشہ سے ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''لو احسنت الی احدا من الدھر ثم رات منک شیئا قلت ما رأیت منک خیرا قط'' اگر تم کسی عورت کے ساتھ عمر بھر اچھا برتاؤ کرتے رہو پھر کبھی ایک دفعہ کوئی خلاف مزاج بات دیکھ لے تو وہ یوں کہے گی کہ میں نے تجھ سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔

بس ذرا سی بات میں ساری عمر کے احسانات کو فراموش کر جاتی ہیں، جہاں کسی دن ان کو شوہر کے گھر میں کھانے پہننے کی تنگی ہوئی اور انہوں نے اس کو منہ پر لانا شروع کیا کہ اس نگوڑے کے گھر میں

آکر میں نے ہمیشہ تنگی ہی دیکھی۔ ماں باپ نے مجھے جان بوجھ کر کنوئیں میں دھکا دے دیا، میں نے اس منحوس کے گھر میں کیا آرام دیکھا۔ غرض جو منہ میں آتا ہے کہ ڈالتی ہیں اور اس کا ذرا خیال نہیں کرتی کہ آخر اسی گھر میں ساری عمر میں نے عیش ہوتے ہے مجھے اس کو نہ بھولنا چاہیے اور خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے تکلیف کم ہی دکھائی ہے اور زیادہ زمانہ عیش کا گزرا ہے۔

چیزوں کے خریدنے میں اسراف اور شوہر کی ناشکری

ایک مرض عورتوں میں اور بھی ہے جو ناشکری کا شعبہ ہے کہ کوئی چیز خواہ کارآمد ہو یا نکمی ہو، پسند آنا چاہیے، بے سوچ سمجھے اس کو خرید لیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ خریدی ہوئی چیز کام آ ہی جاتی ہے۔ اور یہ عادت ناشکری کا شعبہ اس لیے ہے کہ اس میں شوہر کے مال کو برباد کرتا ہے، خود اپنے مال کو برباد کرنا بھی ناشکری ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ''ان المبذرین کانوا اخوان الشیطن و کان الشیطن لربہ کفورا'' بے شک بے موقع مال اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔''

اور جب مال بھی دوسرے کا ہو تو کفران حق کے ساتھ کفرانِ شوہر بھی ہے، (یعنی اللہ تعالیٰ کی ناشکری کے ساتھ شوہر کی بھی ناشکری ہے) مؤمن کا قلب تو زیادہ بکھیڑے سے گھبرانا چاہیے گو اسراف (فضول خرچی) بھی نہ ہو اور بے ضرورت کوئی چیز خریدنا تو صریح اسراف میں داخل ہے۔ حدیث میں ہے: ''نھی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم عن اضاعۃ المال ''یعنی حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مال کے ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے، آج کل گھروں میں اور خصوصاً بڑے گھروں میں بہت زیادہ اسراف ہوتا ہے، برتن ایسے خریدے جاتے ہیں جو قیمت میں تو بہت زیادہ لیکن مضبوط خاک بھی نہیں، ذرا سی ٹھیس لگ جائے، چار ٹکڑے ہو جائیں اور پھر ضرورت سے بھی زائد۔ بعض گھروں میں اس کثرت سے شیشے چینی وغیرہ کے برتن ہوتے ہیں کہ عمر بھی ان کے استعمال کی نوبت نہیں آتی، اس طرح کپڑوں میں بھی بہت اسراف۔

اسراف اور فضول خرچی

ایک کوتاہی عورتیں یہ کرتی ہیں کہ خاوند کے مال کو بڑی بے دردی سے اڑاتی ہیں، خاص کر بیاہ شادی کی خرافات و رسموں میں اور شیخی کے کاموں میں بعض جگہ تو مرد و عورت دونوں مل کر خرچ

کرتے ہیں اور بعض جگہ صرف عورتیں ہی خرچ کی مالک ہوتی ہیں، پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرد رشوت لیتا ہے یا مقروض ہوتا ہے تو زیادہ تر جو مرد حرام آمدنی میں مشغول ہوتے ہیں، اس کا بڑا سبب عورتوں کی فضول خرچی ہے۔

شادی بیاہ میں فضول خرچی

خصوصاً شادیوں میں تو عورتیں بہت فضول خرچی کرتی ہیں، ان میں تو عورتوں ہی مفتی اعظم ہوتی ہیں، سارے کام انہیں سے پوچھ پوچھ کر کئے جاتے ہیں۔ مرد جانتے ہی نہیں کہ شادیوں میں کہاں خرچ کی ضرورت ہے، کہاں نہیں۔ بس جس جگہ عورتیں خرچ کرنے کا حکم دیتی ہیں وہاں بلا چوں چرا خرچ کیا جاتا ہے اور عورتوں نے ایسے بے ڈھنگے خرچ نکال رکھے ہیں۔ جن میں فضول روپیہ برباد ہوتا ہے، ان شادیوں کی بدولت بہت سے گھر تباہ وبرباد ہو گئے لیکن اب بھی لوگوں کو عقل نہیں آئی اور ان رسوم وغیرہ میں عورتوں کا اتباع نہیں چھوڑتے۔ اب بھی لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلیں۔ جب سارا گھر بار نیلام ہو جائے گا اس وقت شریعت کے موافق شادی کی سوجھے گی۔

صاحبو! شادیوں میں بہت اختصار کرنا چاہیے کہ بعد میں افسوس نہ ہو کہ ہائے ہم نے یہ کیا کیا۔ اگر کسی کے پاس بہت ہی زیادہ رقم ہو تو اس کو اس طرح برباد کرنا مناسب نہیں بلکہ دنیا دار کو کچھ رقم جمع بھی رکھنی چاہیے، اس سے دل کو اطمینان رہتا ہے۔

غمی کی رسموں میں کوتاہی اور فضول خرچی

ایک کوتاہی عورتوں میں یہ ہے کہ غمی کے موقعوں پر بھی بہت اسراف کرتی ہیں، بھلا وہاں خرچ کا کیا موقع وہ تو کوئی فخر کا موقع نہیں بلکہ عبرت کا موقع ہے مگر ان کے یہاں غمی میں بھی خاص بارات کا اہتمام ہوتا ہے، پھر حیرت تو ان جانے والیوں پر ہے کہ جہاں کسی کے گھر موت ہوئی اور یہ گاڑیاں لے کر اس کے گھر پہنچ گئیں۔ اب اس غریب پر ایک تو موت کا صدمہ تھا ہی۔ دوسرا یہ وبال سر پر آ کھڑا ہوا کہ آنے والیوں کے کھانے کی فکر کرے۔ پان چھالیا کا انتظام کرے، پھر اگر ذرا بھی کسی بات میں کوتاہی ہو گئی تو آنے والیاں طعنے دیتی ہیں کہ ہم گئے تھے، ہمیں پان بھی نصیب نہ ہوا، بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ یہ وقت تمہارے ناز نخرے پورے کرنے کا تھا یا اس بیچاری پر مصیبت کا وقت تھا،

مگر ان کی بلا سے ان کے ناز نخرے کسی وقت کم نہیں ہوتے حالانکہ اس وقت یہ مناسب تھا

کہ آنے والیاں اپنا دال آٹا (بلکہ اس بیچاری کے لیے کھانا) ساتھ باندھ کر لاتیں اور گھر والوں سے کہہ دیتیں کہ اس وقت تم ہماری فکر نہ کرو تم خود مصیبت میں مبتلا ہو جب کبھی خوش کا موقع ہوگا، ہماری خاطر مدارت کر لینا باقی اس وقت تو ہم اپنا انتظام خود ہی کریں گے اور یہ تو بہت ہی سخت بے حیائی ہے کہ وہاں جا کر بھی اپنے سارے معمولات پورے کریں کہ نہ پان میں فرق آئے نہ چائے میں۔

ضرورت اور فضول خرچی کی حدود

ایک محترمہ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خدمت میں لکھا کہ حضرت اقدس ہمارے گھر میں کھانے پینے کی فراغت رہتی ہے، کئی عورتوں نے مجھ سے کہا کہ تم فضول خرچ ہو۔ حضرت اقدس ارشاد فرمائیں کہ کس حد سے آگے بڑھنا اسراف کہلاتا ہے جس سے انسان فضول خرچ بن جاتا ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا جزئیات کو تو صاف معاملہ ہی سمجھ سکتا ہے مگر اصولی طور پر اتنا کہا جاسکتا ہے کہ شروع میں ضروری خرچ پر اکتفا کرنے کی عادت ڈالنا چاہیے، اب سمجھنا چاہیے کہ ضروری کسے کہتے ہیں سو ضروری کا مطلب یہ ہے کہ اگر موقع پر خرچ نہ کریں تو کوئی نقصان لاحق ہو مثلاً کوئی تکلیف ہونے لگے جیسے کپڑے کی کمی سے سردی کی تکلیف یا موٹا کپڑا پہننے سے گرمی کی تکلیف ہو یا ابھی نہ ہو مگر آئندہ تکلیف ہو۔ یہ تو ضرورت کا ابتدائی درجہ ہے اس کی عادت ڈالنی چاہیے۔

ضرورت کی تفصیل

الغرض تمام اخراجات اور سامانوں میں اختصار کرو، یعنی قدر ضرورت پر اکتفا کرو پھر ضرورت کے بھی درجے ہیں، ایک یہ کہ جس کے بغیر کام نہ چل سکے، یہ مباح بلکہ واجب ہے، دوسرے یہ کہ اسی چیز کے بغیر کام تو چل سکتا ہے مگر اس کے ہونے سے راحت ملتی ہے اگر نہ ہو تو تکلیف ہوگی گو کام چل جائے گا مگر وقت سے چلے گا۔ ایسے سامان رکھنے کی بھی اجازت ہے۔

ایک سامان اس قسم کا ہے کہ جس پر کوئی کام نہیں اٹکتا نہ اس کے بغیر تکلیف ہوگی مگر اس کے ہونے سے اپنا دل خوش ہوگا تو اپنا جی خوش کرنے کے واسطے بھی کسی سامان کے رکھنے میں بشرط وسعت مضائقہ نہیں یہ بھی جائز ہے۔ ایک یہ کہ دوسروں کو دکھانے اور ان کی نظر میں بڑا بننے کے لیے کچھ سامان رکھا جائے، یہ حرام ہے۔

ضرورت و غیر ضرورت کے یہ درجے ہر چیز میں ہیں، مکان میں بھی اور برتنوں میں بھی۔ ہر

چیز کی ضرورت کا معیار یہ ہے کہ جس کے بغیر تکلیف ہو ضروری ہے اور جس کے بغیر تکلیف نہ ہو وہ غیر ضروری ہے۔ اب اگر اس میں اپنا جی خوش کرنے کی نیت ہو تو مباح ہے اور اگر دوسروں کی نظر میں بڑا بننے کی نیت ہو تو حرام ہے، اس معیار کے موافق عمل کرنا چاہیے۔

فضول خرچی کی حد

اسراف (فضول خرچی) اس کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی مصلحت (فائدہ) نہ ہو۔ کھانے پینے میں وسعت کرنا بشرطیکہ کسی حد شرعی سے تجاوز لازم نہ آئے، اسراف میں داخل نہیں اور سامان خریدنے کے متعلق کہتا ہوں کہ جب کوئی چیز خریدنا چاہو تو پہلے سوچ لو کہ اس کی ضرورت ہے یا نہیں اگر فوراً ضرورت ذہن میں آجائے تو خریدلو۔ اگر فوراً ضرورت ذہن میں نہ آئے تو نہ خریدو کیونکہ جس ضرورت کو آدھ گھنٹہ تک سوچ سوچ کر پیدا کیا جائے وہ ضرورت نہیں اور اگر دل میں بہت تقاضا اس سامان کے خریدنے کا ہو تو خریدلو اور اطمینان سے بیٹھ کر سوچتے رہنا اگر اسراف ہونا معلوم ہو تو خیرات کر دینا ورنہ استعمال کر لینا۔

دوسروں کے کپڑے دیکھ کر خود اسی طرح کے کپڑے بنوانا

ایک عورت نے لکھا کہ حضرت اقدس میرا دل چاہتا ہے کہ اچھے اور صاف ستھرے کپڑے پہنا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے دے بھی رکھا ہے اور نیت بھی یہ ہوتی ہے کہ میرے شوہر خوش رہیں اور میرے شوہر بھی یہ چاہتے ہیں۔ مگر مرض یہ ہے کہ جب کسی عورت کو عمدہ کپڑے پہنے دیکھتی ہوں تو دل یہ چاہتا ہے مگر کبھی فرمائش بھی کر دیتی ہوں اور پھر مل بھی جاتا ہے اگر یہ مرض ہو تو علاج ارشاد فرمائیں۔ فرمایا زینت اختیار کرنے کے درجات ہیں افراط و تفریط (یعنی کمی و زیادتی) مذموم ہے اور اعتدال (یعنی درمیانی طریقہ) محمود اور پسندیدہ ہے۔ صورت مذکورہ میں اعتدال یہ ہے کہ کسی کو دیکھ کر اس وقت مت بناؤ اگر توقف سے (یعنی وقت گزر جانے کے بعد ذہن سے نکل جائے تو فبہا (بہت اچھا) اور اگر نہ نکلے تو جس وقت کپڑوں کے بنانے کی ضرورت ہو اس وقت بنالو۔ اگر اتفاقاً نہ مل سکیں تو جانے دو اور اگر دیکھو کہ اتنی مدت تک (انتظار کرنے سے طبیعت) مشغول رہے گی۔ پسند کے وقت خرید کر رکھ لو مگر بناؤ مت، بناؤ اس وقت جب نئے کپڑوں کے بنانے کی ضرورت ہوتا کہ اس کے عوض کپڑا بچ جائے اور اگر تمہارے شوہر تم کو جیب خرچ بھی دیتے ہیں تو ایسا کپڑا اپنی جیب کی رقم سے خریدو تا کہ نفس حدود میں رہے۔

بچوں کے صفحات

﴿ہنس لو﴾

استاد: آملیٹ کسے کہتے ہیں۔

شاگرد: جو آم لیٹ پکتا ہے۔

☆☆☆

امتحان ہال میں ایک بچہ کو پریشان دیکھ کر استاد نے پوچھا: کیا سوال مشکل ہے؟ بچے نے کہا۔ جی نہیں۔

استاد: پھر چپ چاپ کیوں بیٹھے ہو؟

بچہ: جناب! میں سوچ رہا ہوں کہ اس سوال کا جواب میری کون سی جیب میں ہے۔

☆☆☆

استاد: توانائی کسے کہتے ہیں؟

شاگرد: جس توے پر نائی بیٹھا ہو۔

☆☆☆

ڈاکٹر نے ایک شخص کو (جو اپنی امّی کے ساتھ آیا تھا) ٹیسٹ کرنے کے بعد بتایا تمہاری امّی کے گردے فیل ہیں۔ وہ شخص پہلے تو رونے لگا پھر زور زور سے قہقہے مارتے ہوئے بولا۔ ہاہا! میری امّی تو کبھی سکول گئی ہی نہیں ہیں۔

(رقیہ جماد)

☆☆☆

﴿چور پتھر﴾

ایک دفع کا ذکر ہے، پنجاب میں ایک گاؤں آباد تھا۔ جہاں پر ایک لڑکا سعید رہتا تھا۔ وہ شہروں میں جا کر پکوڑے

بیچا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ پکوڑے بیچ کر واپس آرہا تھا۔ راستہ میں گرمی بہت تھی۔ وہ ایک درخت کے سہارے آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا اور پکوڑوں والی تھال میں پیسے رکھ کر تھال ایک پتھر پر رکھ دی۔ کچھ دیر بعد جب وہ سو کر اٹھا تو وہاں خالی تھال پڑی تھی۔ سعید فوراً عدالت میں پہنچ گیا اور جج کے سامنے سارا واقعہ پیش کیا۔ جج نے جو فیصلہ سنایا وہ بہت حیران کن تھا۔ جج نے سعید سے کہا: کہ سپاہیوں کو ساتھ لے کر جاؤ اور وہ پتھر دکھاؤ جس پر تم نے تھال رکھی تھی۔ کل پتھر کو سزا سنائی جائے گی۔ چنانچہ یہ خبر پورے گاؤں میں پھیل گئی۔ اگلے دن یہ تماشہ دیکھنے کے لیے تمام گاؤں کے لوگ عدالت پہنچ گئے۔ جج نے پتھر کو دس کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ عدالت ختم ہونے کے بعد جج نے اعلان کیا کہ سب ایک ایک سکہ دے کر جائیں سب سے پہلے ایک شخص نے سکہ دیا تو اس کو گرفتار کرلیا۔

جج نے سعید سے کہا یہ چور ہے۔ بعد میں ایک بندہ نے جج سے پوچھا آپ کو کس طرح اندازہ ہوا جج نے کہا سکہ پہ تیل لگا ہوا تھا۔

﴿انیس الرحمٰن﴾

﴿ہمیں نیند کیوں آتی ہے﴾

جب رات ہوتی ہے تو چھوٹے بڑے سب سو جاتے ہیں اور دن کی تھکان اتارتے ہیں۔ اللہ میاں نے رات آرام کے لیے پیدا کی ہے تاکہ جب لوگ دن بھر کی محنت اور مشقت سے تھک جائیں تو کچھ دیر آرام کرلیں۔ اگر آپ دن بھر کے کام کاج کے بعد رات کو بھی جاگتے رہیں اور کام میں مصروف رہیں، تو آپ تھک کر چور ہو جائیں گے اور اگلے دن کوئی کام نہیں کرسکیں گے۔ ہمارا دماغ ایک کارخانے کی طرح ہے جس میں گندہ مادہ جمع ہوتا رہتا ہے کیونکہ وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتا ہے۔ رات کو جب ہم سوتے ہیں تو دماغ کے کام کی رفتار سست پڑ جاتی ہے اور پھر اُس وقت قدرت کو یہ موقع ملتا ہے کہ وہ گندے اور فاسد مادے کو نکال باہر کریں۔ جوں جوں ہماری عمر بڑھتی ہے، ہماری نیند کم ہوتی جاتی ہے۔ بچے بہت سوتے ہیں اور بوڑھے بہت کم۔ جانوروں میں نیند کے وقفے مختلف ہیں۔ چوہا بہت سوتا ہے لیکن ہاتھی دو یا تین گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتا۔ ہاتھی اور گھوڑے کھڑے کھڑے بھی سو سکتے ہیں۔ شارک مچھلیوں کے متعلق خیال ہے کہ وہ بالکل نہیں سوتیں۔ صرف چند منٹوں کے لیے اُونگھ لیتی ہیں۔ ریچھ سردی کا پورا موسم سو کر گزارتے ہیں۔

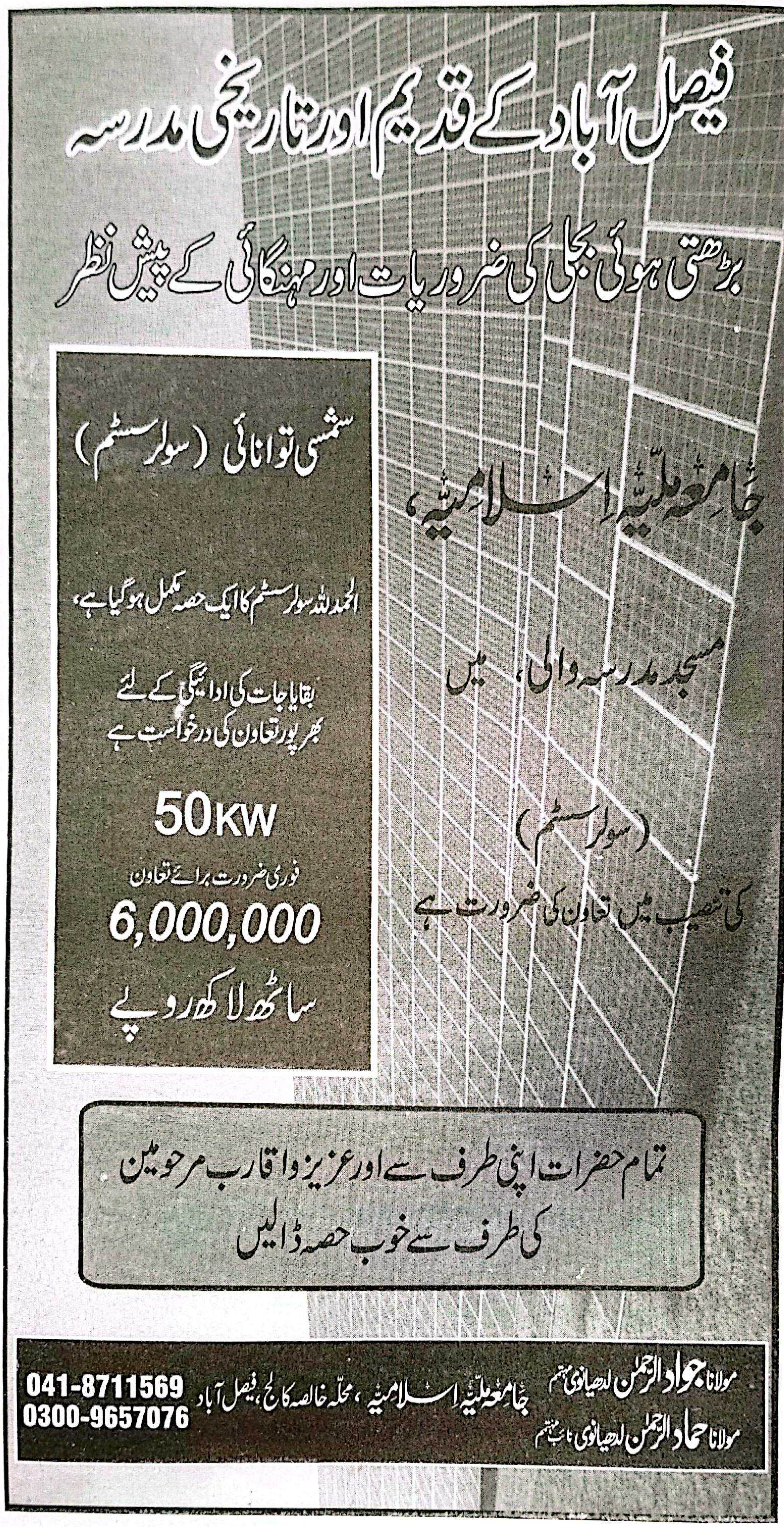

فیصل آباد کے قدیم اور تاریخی مدرسہ
بڑھتی ہوئی بجلی کی ضروریات اور مہنگائی کے پیش نظر
جامعہ ملیہ اسلامیہ،
مسجد مدرسہ والی، میں
(سولرسسٹم)
کی تنصیب میں تعاون کی ضرورت ہے
شمسی توانائی (سولرسسٹم)
الحمدللہ سولرسسٹم کا ایک حصہ مکمل ہوگیا ہے،
بقایاجات کی ادائیگی کے لئے
بھرپور تعاون کی درخواست ہے
50KW
فوری ضرورت برائے تعاون
6,000,000
ساٹھ لاکھ روپے
تمام حضرات اپنی طرف سے اور عزیز و اقارب مرحومین
کی طرف سے خوب حصہ ڈالیں
مولانا جواد الرحمٰن لدھیانوی مہتمم
مولانا حماد الرحمٰن لدھیانوی نائب مہتمم
جامعہ ملیہ اسلامیہ ، محلہ خالصہ کالج، فیصل آباد
041-8711569
0300-9657076

Monthly

Magazine

Millia

JAMIA MILLIA ISLAMIA
FAISALABAD PAKISTAN
Reg:M # FD-16

اھم اعلان

ابن انیس نمبر

ماہنامہ ملیہ فیصل آباد

ابن انیس حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ

بانی ماہنامہ ملیہ، مہتمم جامعہ ملیہ اسلامیہ، خلیفہ ومجاز حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ

کی حیات وخدمات پر انشاء اللہ بہت جلد نمبر شائع کیا جائے گا،

تمام شاگرد، متوسلین ومحبین سے گزارش ہے
کہ جلد از جلد اپنے مضامین ارسال فرمائیں

برائے رابطہ:
جامعہ ملیہ اسلامیہ فیصل آباد
محلہ خالصہ کالج، P.O مدینہ ٹاؤن،
041-8711569 0300-9657076
www.milliafsd.com